

إِنَّ أَكْرَمَ عَمَلِكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَمَّا كُمْ (قرآن)
کتاب و سنت کا تاجان علی دینی و اصلاحی

سہ ماہی مجلہ

الملک حسین



9

جنوری، فروری، مارچ 2011ء
محرم، صفر، ربیع الاول 1432ھ

نگران: حافظ اسعد محمد سلفی
مدیر: محمد عظیم حاصل پوری



- ﴿﴾ توہین رسالت اور اس کا عبرت ناک انجام
- ﴿﴾ تفسیر قرآن پر قراءات کے اثرات
- ﴿﴾ قاری محمد یعقوب راشدی رحمہ اللہ
- ﴿﴾ داڑھی کی مقدار
- ﴿﴾ سفرنامہ

ناشر: شمشاد نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ ملقبہ
(مہجور منکر) ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (القرآن)



اپریل، مئی، جون 2011ء
ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

سہ ماہی مجلہ کتاب و سنت کا ترجمان علمی و دعوتی و اصلاحی

الملک حمید

سرپرست

چوہدری محمد بشیر ایڈووکیٹ
جینٹلمن ہاؤس

نگران اعلیٰ

حافظ اسعد محمود سلفی

بیکل

شیخ الحدیث التفسیر
حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ
حکیم محمود سلفی رحمہ اللہ

مدیر

محمد عظیم حاصلپوری

معاون

مجیب الرحمن سیاف

فہرست

- ۲ عبد الوہید ساجد درس قرآن
- ۳ محمد مالک جینڈر درس حدیث
- ۴ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ دائرہ کی مقدار
- ۱۰ پروفیسر سعید بختی السعیدی اَیْنَ اللہ؟
- ۲۳ اک کتاب ایسی بھی ہے! محمد عمر فاروق ایم اے
- ۳۱ سند (Chain) کیا ہے؟ محمد حسین شاکر
- ۳۹ زبان کی حفاظت قاری لقمان محمدی
- ۴۲ وہ بھی چل بے محمد عظیم حاصلپوری
- ۴۷ اک دیا اور بجھا! محمد ابراہیم ظہیر
- ۵۲ منبع علم عمل، محسن العلماء قاری عنایت اللہ ربانی
- ۵۴ میرا عظیم باپ حافظ سعید الرحمن اعظم
- ۵۶ آہ! مولانا عبد القادر ندوی رحمہ اللہ حکیم رانا مدثر محمد خان
- ۶۳ خواتین پر اسلام کی مہربانیاں ابو عبد الرحمن حاصلپوری
- ۷۱ میرے مرشد و خدوم بریرہ کھوکھر
- ۷۴ بیٹیاں! باعث رحمت ہیں عامر عثمان مجاہد

ادارہ کا مضمون نگاری رائے سے کلی اتفاق ضروری نہیں

مجلس ادارت

شیخ الحدیث مولانا محمد عظیم رحمہ اللہ

پروفیسر حافظ ارشد رحمہ اللہ

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری رحمہ اللہ

اشیخ عبد الوہید ساجد رحمہ اللہ

ضیاء اللہ کھوکھر رحمہ اللہ

اساتذہ جامعہ ہذا

طلبا جامعہ ہذا

انتظامیہ جامعہ ہذا

خط و کتابت

جامعہ اسلامیہ سلفیہ

(مسجد مکرم) ماڈل ناؤن ٹو جسر انوالہ

0301-6131916/055-3846592

Hasalpur@gmail.com

زرتعاون 20 روپے

حافظ عبد القدیر

0308-6522441

سرکیشن میٹر

www.Asslafia.co.cc



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شیخ عبد الوحید ساجد



﴿حَمْدٌ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ، بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾

”حم، اس بے حد رحم والے نہایت مہربان کی طرف سے اتاری ہوئی ہے، ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ عربی قرآن ہے ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا، تو انکے اکثر نے منہ موڑ لیا سو وہ نہیں سنتے۔“ [حم السجدة: ۱، ۲]

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو اللہ رحمان و رحیم کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی اور اس کا مستحکم دین ہے۔ یہ عظیم الشان کتاب اللہ کا نور اور صراطِ مستقیم ہے۔ اس کی آیتیں الفاظ و معانی کے اعتبار سے ایسی واضح اور صریح ہیں کہ ان میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ یہ اپنی پیروی کرنے والوں، تھامنے والوں کیلئے حفاظت و بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اسے سمجھا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے۔ یہ خالص اللہ کا کلام ہے اس پر عمل کرنے والے دنیا میں غالب اور کامیاب ہوئے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح اور عزت کا مقام پائیں گے۔ یہ قرآن کریم صدیوں کا ایسا معجزہ ہے جو ہر زمانے کیلئے یکساں موزوں و مفید اور تاقیامت محفوظ ہے۔ یہ سعادت کا دفتر عدل و انصاف کا دستور فرائض و فضائل کا قانون ہے۔ اگر ہم اس پر غور و فکر کریں اور اسکی صاف ستھری نصیحتوں اور وصیتوں پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف باسعادت و بانصیب ہوں گے بلکہ ہمارے گھر، معاشرہ، سماج اور پوری قوم خوش قسمت و باعزت اور ہم جنت کے حقدار قرار پائیں گے۔ قیامت کے دن یہ ایک قابل قبول سفارشی سچے حجت و تکرار کرنے والے کے روپ میں سامنے آئیگا اور ان لوگوں کی حمایت میں کھڑا ہوگا جنہوں نے اسے اپنا پیشوا بنایا اسکے اوامر پر عمل کیا اور نواہی سے اجتناب کیا۔ لیکن اگر معاملہ اسکے برعکس ہے تو دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی انکا مقدر۔ پھر یہی قرآن ایسے لوگوں کیخلاف گواہی دے گا اور حامل قرآن ﷺ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ان الفاظ سے دعویٰ دائر کریں گے۔

((وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا))

”اور رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب بیشک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑا ہوا بنا رکھا تھا۔“

قرآن کریم کو چھوڑنا کئی طرح سے ہوتا ہے مثلاً: کوئی شخص اسے غور سے نہ سنے اور اس پر ایمان نہ لائے، اس پر عمل نہ کرے، اپنے تمام معاملات میں اسے فیصلہ نہ مانے اور اس میں غور و فکر نہ کرے وغیرہ۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرستِ کتابیں

محمد نالک بھنڈر (مدرس جامعہ حذا)

عامی کتابوں کا احترام

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ اس شخص کی حالت (زنا کی پاداش میں) کچھ اس طرح تھی کہ اسے راکھ اور کونکے سے سیاہ کیا گیا تھا اور وہ جسم پر کوڑے کھائے ہوئے تھا یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو۔ یہودیوں نے کہا جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے علمائے یہود میں سے ایک شخص کو بلا کر فرمایا میں تجھے قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ تم یہ بتاؤ کہ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی یہی حد ہے۔ یہودی عالم نے کہا نہیں۔ اگر آپ مجھے اللہ کی قسم نہ دیتے تو میں حق بات نہ کہتا (مگر اب سچ کہنا ہی پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ) ہماری کتاب میں زنا کی حد تو رجم ہی ہے لیکن جب ہمارے امیر لوگوں میں زنا بہت زیادہ پھیل گیا تو پہلے یہ ہوا کہ جب ہمارے معززین جرم زنا میں پکڑے جاتے تو ہم انہیں چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب اور کمزور پکڑا جاتا تو ہم اس پر حد جاری کر دیتے پھر ہم نے جمع ہو کر باہمی مشورہ سے طے کیا کہ امیر اور غریب کیلئے ایک درمیانی سزا مقرر کر لی جائے (اور سب کو وہی سزا دی جائے) چنانچہ پھر ہم نے رجم کے بدلے زنا کی سزا منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا مقرر کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہودی عالم کی بات سنی پھر کہا اے اللہ...! سب سے پہلے میں ہی تیرے حکم رجم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان لوگوں (یہودیوں) نے اسے مردہ کر ڈالا تھا۔ پھر آپ کے حکم سے یہودی مجرم کو رجم کیا گیا۔

[مسلم، الحدود، باب رجم البہود]

اور یہی واقعہ سنن ابی داؤد کتاب الحدود میں مذکور ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فیصلہ کیلئے آپ کو ساتھ لے گئے اور یہود نے ایک تکیہ رکھ دیا آپ کیلئے آپ بیٹھے اور فرمایا تورات کو میرے پاس لاؤ تورات لائی گئی رسول اللہ ﷺ نے تکیہ نکالا اور تورات کو اس پر رکھا اور فرمایا میں ایمان لایا تھا پراور اس پر جس نے تجھ کو اتارا۔

وضاحت: اس واقعہ سے اس بات کا سبق حاصل ہوتا ہے کہ آسمانی کتابوں کا احترام فرض ہے تورات باوجود یہ کہ منسوخ کتاب تھی اس کے باوجود آپ نے احترام کیا تو قرآن مجید جو کہ غیر محرف غیر منسوخ کلام الہی ہے اس کا احترام پوری انسانیت پر فرض ہے اور اس پر ایمان لانا پوری انسانیت پر فرض ہے۔



شیخ الحدیث
حضرت مولانا
محمد اسماعیل
سلفی رحمۃ اللہ علیہ
تحریر

داڑھی کی مقدار

اداس کی شرعی حیثیت و اہمیت

قسط نمبر ۲

تفردات صحابہ رضی اللہ عنہم

جب آنحضرت ﷺ سے صراحۃً کوئی سنت ثابت ہو تو صحابہ کے اختلاف سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شغف بالسنۃ ثابتہ کے خلاف استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ صحابہ سنت کے عاشق تھے۔ ان کا عمل اسی صورت میں دلیل ہو سکتا ہے جب آنحضرت ﷺ سے صراحۃً اس باب میں کچھ ثابت نہ ہو۔ اگر آنحضرت ﷺ سے صراحت آ جائے تو اصل سنت وہی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کی تین طلاقات کو ایک سمجھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تین ہی نافذ فرمایا۔ (مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعان کونا پسند کرتے تھے۔ (مسلم)

عروہ بن زبیرؓ کا ہویا لڑکی ایک ہی بکری کافی سمجھتے تھے۔ [موطا معہ زرقانی ص ۹۴ ج ۳]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی عقیقہ میں عروہ بن زبیر سے متفق تھے۔ [زرقانی ص ۹۴ ج ۳]

ابراہیم بن حارث چڑیا کے ساتھ عقیقہ جائز جانتے تھے۔ [موطا ص ۹۸ ج ۳]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں تشبیک کے قائل تھے۔ حالانکہ سنت صحیحہ اس کے خلاف ہے۔ ترمذی

وغیرہ۔ بعض صحابہ مرغی اور انڈے تک کی قربانی جائز جانتے تھے۔ محلی ابن حزم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت کی ولایت کو جائز سمجھتی تھیں۔ والحدیث علی خلافت

ایسے مسائل میں صحابہ کے عمل سے سنت ثابت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی صحابہ پر طعن کیا جائے گا۔ تِلْكَ أُمَّةٌ

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

جنگ جمل اور جنگ صفین سے اسی حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔

حضرت عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر فتح الباری میں مجملاً آیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے طبری کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔ اور سند نہیں لکھی عمدۃ القاری نے اس کی تھوڑی سی تفصیل فرمائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا اس کی داڑھی بہت لمبی اور پراگندہ تھی۔ آپ نے اس کی داڑھی کاٹ دی۔ علامہ عینی نے یہ روایت بصیغہ تمریض ذکر فرمائی ہے۔ امام احمد نے مسند عمر میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ یوں بھی اس کا تعلق پراگندگی کے ساتھ ہے۔ اس میں داڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا ذکر بالاصالت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ گندا نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ اس اثر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت داڑھی کٹانے کا رواج نہیں تھا۔ لوگ سنت کے مطابق داڑھی بڑھاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر اسے گندا نہ دیکھتے تو کٹانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک بھی قبضہ سے زیادہ تھی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ قبضہ سے زیادہ کتر ادا کرتے تھے۔ یہ اثر بھی بے سند ہے۔ اور محدثین نے اس قسم کے آثار پر اعتما نہیں فرمایا۔ نہ ہی ان کی اسانید کے متعلق کوئی ذمہ داری لی ہے۔

اگر صحیح سند سے ان کا ثبوت بھی مل جائے۔ تو احادیث سے تعارض کی صورت میں صحیح احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔ ایک مرسل روایت کا ذکر صاحب اتحاف النبلاء نے بحوالہ فوائد ابن قیم ذکر فرمایا۔ ابن قیم کی فوائد اور بدائع الفوائد چھپ چکی ہے۔ ان میں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ ویسے ہی یہ روایت بواسطہ ابوصالح السمان (ذکوان) مرقوم ہے۔ ابوصالح اوساط تابعین سے ہیں۔ ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اس لیے حدیث مرسل ہوگی مرسل کی حجیت ائمہ حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک معلوم ہے۔ جن صحیح روایات کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ آثار و مراسیل کا یہ مختصر اور مشکوک ذخیرہ ان کے مقابل معرض حجت میں نہیں آسکتا۔

موجودہ فیشن

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا تعلق ہے۔ حلق اور قصر فاحش معصیۃ ہیں اور کبیرہ گناہ اور

آنحضرت ﷺ کے صریح احکام کی مخالفت ہے۔ تعجب یہ ہے کہ عوام کی بد عملی کے سبب اکثر پڑھے لکھے لوگوں نے بھی اس میں تاویل شروع کر دی اور عوام کی خوشنودی کے لیے تاویل اور حیل کا افتتاح فرما دیا تاکہ عوام میں ان کی روشن خیالی کا چرچا ہو۔

مشرکین مجوس میں قصر فاحش کا عام رواج تھا۔ اور خالفوا المشرکین فرما کر اسی قصر سے روکا گیا۔ اگر قصر کی تحدید شرعاً نہ کی جائے تو حدیث اعفوا اللحی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ کیوں کہ جنس اعفاء تو قصر اور حلق کی ہر صورت میں پائی جاتی ہے۔ جب تک مشرکین کے قصر کو سمجھ نہ لیا جائے۔ اس کی کوئی صورت ذہن میں نہ آجائے۔ ان کی مخالفت کا بھی کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ حدیث خالفوا اور حدیث اعفاء صرف ایک قضیہ مفروضہ ہو کر رہ جائیں گی۔ اس مقام پر عوام کے ساتھ بعض اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مقام کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے۔ لیہلک من ہلک عن بینة ویحیی من حی عن بینة

متذکرہ دونوں صورتیں قطعی طور پر خلاف سنت ہیں۔ ترک سنت چونکہ کفر نہیں اس لیے عموماً مجلسی طور پر اسے گوارا کیا جاتا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے یہ معصیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس تساہل کو جواز و اباحت کی دلیل نہ سمجھا جائے۔ ہمارے معمولات میں اس قسم کی چیز حقہ ہے۔ اس کی حرمت میں بعض اہل علم کوتاہل ہے۔ لیکن اس کی مضرت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس کا غیر مفید ہونا قریباً مسلم ہے۔ اور سوسائٹی میں اس کا استعمال اس کثرت سے ہے کہ بعض وقت سوسائٹی کی ذہنی افتاد پر افسوس ہوتا ہے۔ تاہم کثرت استعمال اور اس بلیہ کے عموم کو اس کے جواز یا استحسان کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اصحاب عزیمت کا فرض ہے کہ معاشرہ میں ایسی خرابیوں کے وقت اصلاح حال کی پوری کوشش فرمادیں۔ بلیک مارکیٹ، ذخیرہ اندوزی، منافع بازی، سود کی بعض صورتیں ہمارے معاشرے میں عام ہو رہی ہیں۔ رشوت کینہ پروری ہمارے ذمہ دار طبقہ کا عام روگ ہے۔ لیکن اسے جواز یا اباحت کی دلیل نہیں تصور کیا جاسکتا۔

زیر قلم مسئلہ ہی کو دیکھیے آپ اس کے خلاف کہیں تو لوگ تعجب خیز نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھیں گے لیکن یہ جواز کی دلیل نہیں قرار دی جاسکتی۔

بعض لوگ قبضہ سے زائد کٹوادیتے ہیں جس کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا گیا ہے۔ آثار کی بحث بلحاظ ثبوت پہلے گزر چکی ہے۔

نواب صدیق حسن فرماتے ہیں:

ہم جنیس حکایت اس فعل بعض اہل علم از جماعتی از تابعین واستحسانش از شععی وابن سیرین نقل کردہ اندو مذہب ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد نیز ہمیں است کہ طول لحيہ بقدر قبضہ باید قطع ماوراء او واجب است۔

[ہدایۃ السائل ص ۱۲]

تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے کہ قبضہ سے زائد کٹا دینا ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کوئی حدیث منقول نہیں، کٹانے کے باب میں یہی حد ہے۔ جسے فعل صحابہ کی بنا پر مباح کہا جاسکتا ہے۔ کہ عام صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت جابر کا اثر بروایت ابو داؤد پہلے گزر چکا ہے۔

داڑھی کے طول و عرض سے بکھرے ہوئے بال کتر ادینا یہ صورت درست ہے اور حدیث اعفاء کے خلاف بھی نہیں سنن ابن ماجہ میں اصول کے طور پر اس کا ذکر آیا ہے۔ باب کراهیۃ الشعر، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ :

((رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّ شَعْرٍ طَوِيلٍ فَقَالَ ذُنَابٌ ذُنَابٌ
فَانْطَلَقْتُ فَأَخَذْتُهُ فَرَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَمْ أَغْنِكَ
وَهَذَا أَحْسَنُ))

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بال لمبے لمبے دیکھے تو فرمایا یہ دین کیسی ہیں، میں نے جاکر بال کٹوا دیئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن یہ بہتر ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا مفاد بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور وائل بن حجر کی حدیث کا ضعف کے باوجود اسی قدر مفاد ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو معنی ہم نے پہلے لکھا ہے اس کا بھی یہ مطلب ہے احادیث اعفاء اور آثار قطع لحيہ میں اس سے تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

تجمل کے نقطہ نظر سے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر حسن کے نقطہ نظر سے گفتگو ہونی چاہیے۔ لباس کے معاملہ میں شارع نے اسے کافی حد تک ملحوظ رکھا ہے۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال سے اس اصل کا پتہ چلتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر اگر بحیثیت مسلمان بحث کی جائے تو تجمل کی صحیح صورت تو وہی ہوگی جسے آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا۔ لیکن اگر عشق کی طغیانیاں اور حسن کی سرمستیاں کسی ساحلی تحدید کی پابند نہ رہ سکیں تو اتنا تو سوچنا پڑے گا حسن و تجمل کے لیے دنیا کے پاس کوئی قطعی قانون تو ہے نہیں یہ بالکل وقتی اور اضافی چیز ہے۔ متمدن شہروں میں فیشن ہفتوں مہمان ہوتا ہے۔ اس لیے مصنوعی حسن و تجمل کی تلاش میں حسن سازج کی حدود کو پھاندنا مناسب نہیں۔ حسن و تجمل کو جزوی حیثیت ہی دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے قدرت کے اہل قانون سے پیہم جنگ کوئی خوشگوار مشغلہ نہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھئے کہ آغا ز سبزہ سے جو جمالیاتی کیفیت اسی لیل و نہار کے اجتماع میں پائی جاتی ہے اور نگاہیں جس قدر حظ اس قدرتی منظر سے پاتی ہیں جو اس سیاہی اور سپیدی کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے اسے اس مصنوعی شورش زمین سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ جسے پر تکلف تراش و خراش کے بعد پوڑ اور کریم کی مدد سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اس مصنوعی سپیدہ میں بالوں کی سیاہ کھونٹیاں گویا حسن کی سیاہ قبریں ہیں جو اس کے ماتم کی زندہ و جاوید دعوت ہے۔ عوام کا ذوق ویسے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن استدلال و بحث کے مقام پر تو عوامی رجحانات کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

اور حسن کی اس ریاء کا راز نمائش میں عوام کے عامیانہ جذبات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جس پر ایک عقل مند فکر کر سکے یا سوچنے کی تکلیف کرے۔

بڑھاپے میں جب کہ جمال و تزین کا چراغ طلوع سحر کا پتہ دے رہا ہو چہرے کی جھریاں بکھر کر قیافہ پریشانیوں کی غمازی کر رہی ہوں چند بالوں کی پریشانی سے پریشان ہو کر موسیٰ و مقرر اض کی دیوانہ و اراحتیاج صرف پریشان خیالی ہی نہیں بلکہ عقل کی پراگندگی کا پتہ دیتی ہے اور جب چہرہ قدرتی جمال کی رعنائیوں سے سرشار ہو جوانی کی سچ دھج پورے جو بن پر ہوتا زہ خون کی سیلاب آمیز موجیں

چہرے پر مچل رہی ہوں ان قدرتی عساکر کو حضری اور مصنوعی اسلحہ سے مسلح کرنا تحصیل حاصل ہے سچ جانے کہ یہاں تو بالوں کی پر پتچ پر اگندگیاں وغیرہ چہرہ دل آرام پر مشاطہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آج کی یہ پریشانی اور جمال و حسن کی آخری معراج ہے۔ اس پریشانی کی حفاظت کے لیے عاشق اور شاعر شانہ سے برسر پیکار ہیں۔ وہ اس پریشانی کو پریشانی سے بچانے کے لیے کس دعوے سے کہا جاتا ہے۔ حاجت مشاطہ نیست روئے دلا آرام را۔ کتنا ظلم ہوگا شانہ کے ساتھ اس کی کھلی جنگ کے بعد حسن کا تمام اثاثا البیت استرے اور قینچی کی نذر کر دیا جائے۔ ایسے حسن پرستوں سے حسن کی یہ فریاد کس قدر بحال ہوگی۔

چودیدم عاقبت خود گرگ بودی

یہاں یورپ کی تقلید کا جنون اس قدر سوار ہے کہ اگر کہیں پیرس کی آوارہ مزاج اور حسن بدوش لیڈیوں نے سرمندانے کا فیصلہ کر لیا تو یہاں بلا تامل آمین کہہ دی جائے گی۔ اور عورت کی چوٹی اور مرد کا چہرہ دونوں پاش پاش ہوتے نظر آئیں گے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ان ماہران جمالیات کی متاع گراں بہا تقلید یورپ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہم ایسے قدامت پسند تقلید و نقل کی ان زنجیروں کو کیوں توڑ سکتے ہیں۔ مجھے حسن مصنوع سے عداوت نہیں جہاں تک فطرت کی سادگی کا تعلق ہے یہ بال ایک نوجوان چہرے کی عصمت و آبرو ہیں۔ اس پر نائی کو دوست درازی کا کوئی حق نہیں۔

اس آبرو کو پامال کرنا معصوم فطرت پر ایک ظلم ہے۔ جہاں تک اس موضوع کا فطرت کی صنعت کاری سے تعلق ہے میں نے جو عرض کیا وہ قطعی صحیح ہے۔ اگر اختلاق و تصنع پر ہی اصرار ہے تو ہر صناعت و صراف کو حق ہے کہ اپنی رائے پر اعتماد کرے اور وہ آزاد ہے کہ قدرت کے پیدا فرمودہ حسن میں جو تحریف و تبدیلی کر سکتا ہے کر گزرے۔

فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اعظم رحمہ اللہ صاحب کے نام

ویسے تو سب رہتے ہیں موت کے منتظر

اچانک تیری جدائی نے سب کو رولا دیا محمد علی (درجہ رابعہ)



اَيْنَ اللّٰهُ .. ؟

تحریر:

الاجازہ پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی

(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کہاں ہے؟

علمی دنیا میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح عقیدے سے واقف نہیں۔ ان میں سے بعض کم علمی کی وجہ سے اور بعض عمداً ڈھٹائی کی وجہ سے غلط عقائد کے حامل ہیں۔ اللہ رب العزت کے بارے میں لوگوں کے غلط اور قابل اصلاح عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ جبکہ قرآن کریم کی دسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث مبارکہ میں صراحت سے یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہے۔ البتہ اس کا علم، حکم، حکومت، اقتدار، سلطنت، قوت اور اس کی سمع و بصر سے آسمانوں یا زمینوں کی کوئی بھی چیز مخفی و پوشیدہ نہیں۔

ذیل میں اس بارے میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ اللہ کریم مسلمانوں کو صحیح عقیدہ سمجھنے اور اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

① سیدنا معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری لونڈی احد اور جوانیہ کی جانب بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ بھیڑ یا ایک بکری کو اٹھالے گیا۔ میں انسان تھا۔ مجھے بھی عام لوگوں کی طرح افسوس ہوا (اور غصہ آیا تاہم مجھے برداشت کر لینا چاہیے تھا) لیکن میں نے اسے ایک تھپڑ دے مارا۔ (مجھے بعد میں بہت پچھتاوا ہوا) مجھے اپنا یہ عمل بہت شاق گزرا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: پہلے تم اسے میرے پاس لے کر آؤ۔ میں اسے آپ کی خدمت اقدس میں لے گیا۔ آپ نے اس سے دریافت

فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا 'اوپر' آپ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ وہ بولی اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: اسے آزاد کر دو۔ بیشک یہ لونڈی ایمان دار ہے۔

صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، مؤطا مالک، کتاب العتق والولاء، باب يجوز من العتق فی الرقاب الواجبة، سنن النسائی، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، حدیث ۱۲۱۹، ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۳ سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۱ ص ۳۵۱ حدیث ۹۲۸، ج ۳ ص ۲۲۶ کتاب الایمان والنذور، باب فی الرقبة المومنة، حدیث ۳۲۷۰، مسند الامام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۷، ۴۴۸

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس لونڈی کا جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اسکی تائید و تصدیق کی بلکہ اسے (صاحبہ ایمان، مومنہ) قرار دے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسے آزاد کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی یعنی اس لونڈی کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں بلکہ آسمانوں سے اوپر ہے۔ بالکل درست جواب تھا۔

② انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی کوئی بات چھپانی ہوتی تو یہ آیت چھپاتے ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾ [الاحزاب: ۳۷]

”اور آپ اپنے دل میں ایک بات کو چھپا رہے تھے، جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اسکا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“
ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازوج النبی، امہات المؤمنین کے مقابلے میں فخریہ طور پر کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہارے گھر والوں نے کئے اور رسول اللہ ﷺ کیساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا۔

صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ۲۲ (۷۴۲۰، ۷۴۲۱)

ام المؤمنین یعنی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے۔

③ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رات کے اور دن کے فرشتے باری باری تمہارے پاس آتے ہیں اور فجر و عصر کی نمازوں میں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں (کہ ایک گروہ کے آنے کا



اور دوسرے کے جانے کا وقت ہوتا ہے) جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات بسر کی ہوتی ہے وہ اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہے، پھر بھی فرشتوں سے دریافت کرتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں ہم انکے پاس گئے تو وہ نماز میں تھے اور ان کے پاس سے آئے ہیں تب بھی وہ نماز ادا کر رہے تھے۔“

صحیح بخاری، فضل صلوٰۃ العصر (۵۵۵)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ذات اوپر بلندی میں ہے۔

④ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے فرمان الہی سن کر اپنے پروں کو ہلا کر اور پھر پھڑا کر انتہائی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس وقت ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے ہموار پتھر پر زنجیر کے ٹکڑے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے ہیبت و خشیت الہی کی کیفیت کا اثر ختم ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے سچ فرمایا وہ بلند یوں والا اور کبریائی کا مالک ہے۔“

فرشتوں کی ان باتوں کو چوری چھپے سننے والے شیاطین سن لیتے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھتے چڑھتے آسمان کے قریب جا چکے ہوتے ہیں۔ اوپر والا شیطان فرشتوں سے اس بات کو اچک کر اپنے سے نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو بتلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بات شیاطین کی وساطت سے جادو گریا کا ہن تک پہنچ جاتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا شیطان ابھی نیچے والے کو بتلا نہیں پاتا کہ اسے شہاب ثاقب آلیتا ہے اور کبھی شہاب ثاقب کے آنے سے پہلے وہ نیچے والے کو بتلا چکا ہوتا ہے پھر کاہن یا جادوگر سوسو جھوٹ ساتھ ملا کر لوگوں کو وہ بات بتلاتا ہے۔ ان میں سے سچی بات وہی ہوتی ہے جو آسمان سے سن لی گئی تھی۔

صحیح بخاری، التفسیر، سورۃ الحجر (۷۰۱) تفسیر سورۃ سبأ (۸۰۰) کتاب

التوحید، باب ۳۲ (۷۴۸۱)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر ہے۔

⑤ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ایسا سونا بھجوا یا جسے ابھی مٹی سے الگ نہیں کیا گیا تھا۔ آپ نے وہ چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ تو ایک شخص نے کہا ان لوگوں کی نسبت ہم لوگ اسکے زیادہ حق دار تھے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ”لوگو! کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے حالانکہ آسمان والے نے مجھے امین سمجھا ہے اور صبح وشام میرے پاس آسمان سے خبریں (وحی) آتی ہیں۔“

صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اعطاء المؤلفة قلوبہم

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اوپر آسمان پر ہے۔

⑥ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آسمان دنیا سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ پانچ سو سال مسافت ہے۔ اسی طرح ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان، کرسی اور پانی کے درمیان بھی پانچ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ پانی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ یاد رکھو تمہارا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

الدارمی فی الرد علی الجہمیۃ (۲۶) کتاب التوحید لابن خزیمہ (۵۹۴) الطبرانی فی المعجم الصغیر (۸۹۸۷)

فائدہ: معلوم ہوا کہ ساتویں آسمان سے اوپر، کرسی، اس سے اوپر پانی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا عرش کریم ہے۔

⑦ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں (مکہ مکرمہ سے باہر) بطحاء کے مقام پر ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ محفل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک بدلی گزری تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا تم لوگ اسے کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم اسے (سحاب) ”بادل“ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور اسے (مزن) ”بادل“ بھی کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم اسے (مزن) بھی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور اسے (عنان) بھی کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم اسے (عنان) بھی کہتے ہیں۔ (یاد رہے کہ عربی میں ایک ایک چیز کے متعدد نام ہوتے ہیں۔ بادل کو



عربی میں سحاب، مزن اور عنان بھی کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو عربی لغت پر مکمل عبور تھا)

آپ نے پوچھا: تمہارے خیال میں تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ لوگوں نے کہا: ہمیں تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے اور آسمان کے مابین اکہتر، بہتر یا تہتر سال کی مسافت ہے۔ اس سے اوپر پہلا آسمان ہے اور اسکی موٹائی بھی اسی قدر ہے۔ اس طرح آپ نے ساتویں آسمانوں کا ذکر کیا (یعنی ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی ہی مسافت اور ہر آسمان کی موٹائی ہے) پھر ساتویں آسمان کے اوپر سمندر ہے۔ جس کی اوپر والی سطح اور نچلی سطح کے درمیان بھی اتنی ہی مسافت ہے اس سے اوپر آٹھ مینڈھے (یا پہاڑی بکرے) ہیں۔ انکے کھروں اور گھٹنوں تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔ انکی پشتوں پر (اللہ تعالیٰ کا) عرش ہے۔ اس عرش کے اوپر اور نیچے والی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے اسکے اوپر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔

سنن ابن ماجہ، باب، فیما انکرت الجہمیۃ (۱۹۳)

⑧ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اسکے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: انکے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ ساتویں آسمان اور عرش الہی کے درمیان ایک سمندر ہے اس کی چلی اور اوپر والی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی اوپر ہے۔ بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل اس سے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔

سنن ابی داؤد، فی الرد علی الجہمیۃ (۴۷۲۳) مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۶، ۲۰۷ کتاب التوحید از محمد بن عبد الوہاب

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر ہے۔

⑨ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔



اللہ تعالیٰ سوتا نہیں۔ نہ سونا اسکی شان کے لائق ہے۔

وہی میزان کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے۔

بندوں کے رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اسکی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔

نور اسکا حجاب ہے۔ اگر وہ اس حجاب (نور) کو ہٹا دے تو اسکے چہرے کے جلوے سے اسکی تمام مخلوق خاکستر ہو جائے جس تک اسکی نظر پہنچے۔
سنن ابن ماجہ (۱۹۵، ۱۹۶)

فائدہ: انسانوں کے دن اور رات کے اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف اوپر لے جائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت اوپر ہے۔

⑩ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو فرشتے اسکے پاس آتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہو تو کہتے ہیں اے پاک روح جو پاکیزہ جسم میں تھی، اب باہر آ جا، تو قابل تعریف ہے، تجھے خوشخبری ہو، اللہ کی رحمت اور نعمتوں کی اور اس رب سے ملاقات کی جو تجھ سے ناراض نہیں ہے، فرشتے بار بار یہ کلمات اسے کہتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ جسم سے باہر آ جاتی ہے۔ پھر وہ فرشتے اس روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں آدمی کی روح ہے۔ تو وہ کہتے ہیں پاک روح جو پاکیزہ جسم میں تھی، اسے خوش آمدید۔ داخل ہو جا۔ تو قابل تعریف ہے۔ تجھے خوشخبری ہو، اللہ کی رحمت اور نعمتوں کی اور اس رب سے ملاقات کی جو تجھ سے ناراض نہیں ہے، ہر آسمان پر اسکو یہی کلمات کہے جاتے ہیں حتیٰ کہ اسے فرشتے اس آسمان پر لے جاتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ الخ
سنن ابن ماجہ، باب ذکر الموت (۴۲۶۲)

⑪ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ کے نبی سیدنا داؤد علیہ السلام اپنی دعا میں یوں کہا کرتے تھے:

((سبحانک اللہم انت ربی، تعالیت فوق عرشک و حیلت خشیتک علی من

فی السماوات والارض فاقرب خلقتک منک منزلة اشدھم خشیتہ لک



وما علم من لم يخشك وما حكمة من لم يطع امرك))

”اے اللہ تو ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، تو میرا رب ہے، تو اپنے عرش کے اوپر جلوہ افروز ہے۔ تو نے آسمانوں اور زمین کی مخلوقات پر لازم کیا ہے کہ تیری خشیت اختیار کریں۔ تیری مخلوق میں سے جو بھی تجھ سے جتنا زیادہ ڈرتا ہے وہ اتنا ہی تیرے قریب ہے، اور جو تجھ سے ڈرتا نہیں، اس کے علم کا کیا فائدہ؟ اور جو کوئی تیرے احکام کو بجا نہیں لاتا، وہ کیسا دانا؟

سنن دارمی ج ۱ ص ۸۲ (۳۴۲) باب فی فضل العلم والعالم

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔

(۱۲) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کا عرش

آسمانوں سے بھی اوپر ہے۔ سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص ۳۷۰

فائدہ: یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بھی اوپر عرش پر ہے۔

(۱۳) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والوں

پر رحم کرے گا۔ جامع ترمذی مع تحفة الاحوذی ج ۳ ص ۱۲۲ (۱۹۲۴)

فائدہ: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت آسمان پر ہے۔

(۱۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں ایک گونگی سیاہ فام لونڈی کو لئے

حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! ایک مومنہ لونڈی کا آزاد کرنا میرے ذمے ہے۔ تو رسول

اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا

کہ اوپر، پھر آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ تو اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اور پھر آپ کی طرف

اشارہ کر کے بتلایا کہ آپ اس اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے اس سے فرمایا تم اسے آزاد کر دو۔

[مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱]

فائدہ: یہ حدیث بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اوپر ہے

((الابانة عن اصول الديانة)) جو اصول عقائد کی ایک جامع کتاب ہے، اس میں ہے کہ

معترزلہ، جمہیہ اور حروریہ (گم راہ فرقے) سے تعلق رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ عز وجل کی ذات ہر

جگہ ہے اور وہ اہل حق کی طرح اللہ عزوجل کے عرش پر ہونے کے انکاری ہیں۔ اس نظریے کی تردید میں تفصیل سے دلائل ذکر کر کے سب سے آخر میں معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

((وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عَرْشِهِ فَوْقَ السَّمَاءِ))

”اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات اقدس آسمان سے اوپر ہے۔ (ہر جگہ نہیں ہے)“ (الابانہ ۳۵، ۳۲)

نیز کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ، للبیہقی رحمۃ اللہ علیہ میں (باب القول فی الاستواء) میں مصنف نے بہت سی آیات و احادیث ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے۔

”ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں جہیہ کے اس قول کی تردید کی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر ہے۔ باقی رہا کہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ تو اس میں اس کی معیت علم کے لحاظ سے ہے ذات کے لحاظ سے نہیں۔“ (الاعتقاد ۴۳، ۴۱)

امام الموحدین شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابوبکر الباقلائی کی کتاب ”الابانہ“ سے نقل کیا ہے کہ

”اگر کوئی کہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے؟ تو اس کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ معاذ اللہ! (اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ نہیں) بلکہ وہ تو اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود

اپنی کتاب میں فرمایا ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۵۰] الفتویٰ الحمویۃ الکبریٰ (۵۸) نیز عقیدہ توحید کے بارے میں امام الموحدین شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوحید کی شرح فتح المجید کے صفحہ ۵۱۴ پر ہے:

”دارمی، حاکم اور بیہقی نے صحیح ترین سند سے روایت کیا ہے کہ علی بن الحسین بن شقیق فرماتے ہیں: میں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ:

ہم اپنے رب کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اپنی مخلوق سے بآن (الگ، جدا) ہے۔ اور ہم جہمیہ (گم راہ) فرقے کی طرح نہیں کہتے۔



دارمی ہی نے بیان کیا ہے کہ امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ہم اپنے رب کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟ فرمایا: وہ ساتویں آسمان سے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے بائن ہے۔ قبل ازیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بیان ہو چکا ہے کہ ہم اور اکثر تابعین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بائن (جدا) ہے، احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے ہمارا اس پر ایمان ہے۔“

یہی مصنف چار سطروں بعد مزید رقم طراز ہیں۔

(ابو عمر الطلمنکی نے کتاب الاصول میں فرمایا) مسلمانوں میں سے اہل سنت کا اجماع ہے کہ ارشاد الہی ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ اور اس جیسی دیگر قرآنی آیات میں (معیت) سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے اور اس کے استواء کی کیفیت وہی ہے جو وہ چاہے۔ الخ

یہ عبارت کتاب التوحید کی دوسری شرح تیسیر العزیز الحمید کے ص: ۴۴ پر بھی بعینہ موجود ہے۔ اور اس سے قبل ص: ۴۰، ۴۱ پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”اللہ کی کتاب شروع سے آخر تک، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین

عظام رحمۃ اللہ علیہم وائمہ کرام کے تمام اقوال میں یہ بات منصوص طور پر اور کھلم کھلا موجود ہے کہ اللہ

تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے اوپر اور ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔“

اس کے بعد اٹھارہ آیات لکھ کر اپنے موقف کا اثبات کیا ہے، جن میں یہ بات منصوص طور پر یا اشارۃً اور مفہوماً بیان ہوئی ہے۔ نیز یہ عبارت فتح المجید ص: ۵۱۱، ۵۱۲ پر بھی ہے۔

استاد العلماء شیخ الحدیث والفسیر حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا..... چنانچہ یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے بلکہ اسکی قدرت ہر جگہ موجود ہے؟ اس سلسلے میں صحیح عقیدے کی وضاحت مطلوب ہے۔

اس سوال کے مفصل جواب میں حافظ صاحب رقم طراز ہیں:

ہمارے ائمہ جیسے سفیان، مالک، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، الفضل، عبد اللہ بن مبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور اسکا علم ہر

جگہ موجود ہے اور وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ وہ راضی، ناراض ہوتا ہے۔ جس شے کیساتھ چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے۔ کما یلیق بجلالہ البتہ اسکا علم ہر شے کو محیط ہے۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ۱۲]

جملہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اسکے خلاف (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ موجود ہونے کا عقیدہ رکھنا) الحاد اور گمراہی ہے۔ (اتہلی) واللہ الہادی للصواب

[فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ، ج ۱ ص ۱۸۶، ۱۸۹]

الشیخ محمد بن جمیل زینو رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کتابچہ ہے ”خذ عقیدتک من الكتاب والسنة“ جس کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحمد رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ”اصلاح عقیدہ“ کے عنوان سے جمعیتہ احیاء التراث الاسلامی کویت، نے شائع کیا ہے۔ اس کے ص ۱۰ پر ایک سوال ”اللہ کہاں ہے؟“ کے جواب میں لکھا ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾

”رحمن نے عرش پر قرار پکڑا۔“ [طہ: ۵]

مفتی اعظم مملکت عربیہ سعودیہ ساحتہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے ”العقیدۃ الصحیحۃ وما یضادھا“ اسکا اردو ترجمہ شیخ عبدالحق ندوی کے قلم سے صحیح اسلامی عقیدہ اور اسکے منافی امور کا ص ۷۱ پیش نظر ہے۔ اس میں ہے:

”امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کو اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ وہ

اپنی مخلوق سے جدا آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔“

شیخ محمد بن اسحاق انصاری مدنی عفی عنہ، اپنے کتابچے ”عقیدۃ السلف الصالح“ میں عقیدہ نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

اللہ رب العزت عرش پر مستوی ہے اپنی ذات کے ساتھ، البتہ اسکی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی، نہ تو

اسکی تشبیہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ ہی مثال دے کر ہی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اپنے عرش پر مستوی ہونے کے متعلق قرآن کریم میں خود فرماتا ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۵]

ملاحظہ ہو صحیح عقائد اور ترجمہ عقیدۃ السلف الصالح از عبدالمعتمد عبدالباقی رحمہ اللہ ص: ۸

شیخ محمد جمیل زینو کے ایک اور رسالے کا اردو ترجمہ بھارت کے ایک صاحب علم مولانا لیث محمد بستوی نے ”اسلامی عقیدہ، کتاب وسنت کی روشنی میں“ کے نام سے کیا ہے اس میں ہے:

”میری ایک نوجوان مسلمان سے ملاقات ہوئی جو کہہ رہا تھا کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ میں نے اس سے کہا اگر تمہاری مراد ذات باری تعالیٰ ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ فرمان الہی ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ [طہ: ۵]

اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دید و شنید اور علم کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہے تو یہ صحیح ہے۔ [ص: ۲۲]

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ معیت کا صحیح مفہوم

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ ”کہ وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی معیت کی متعدد صورتیں ہیں

① اللہ جل ثناء نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

﴿إِنِّي مَعَكُمْ﴾ [طہ: ۴۶]

”بلاشبہ میں تم دونوں کیساتھ ہوں۔“

یہاں اس سے اسکی مراد ہے کہ میں تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) کا دفاع کرنے میں تمہارے ساتھ ہوں۔

② نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبہ: ۴۰]



”وہ دو میں سے دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا غم نہ کریقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

فرمایا: اللہ ہمارے ساتھ ہے یعنی ہمارا دفاع کرنے کے لحاظ سے۔

③ نیز فرمایا:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ۲۴۹]

”کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب رہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ وہ دشمن کے خلاف ان (صابرین) کی مدد کرنے میں وہ ان کے ساتھ ہے۔

④ نیز ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ﴾ [محمد: ۳۵]

”چنانچہ تم سستی نہ کرو اور صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ وہ دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے۔

⑤ نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ﴾ [النساء: ۱۰۸]

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی حرکات اور کرتوتوں کو نہیں چھپا سکتے اور وہ انکے ساتھ ہی ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے انکے ساتھ ہے۔

⑥ نیز ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمَّا تَرَأَى الْجُمُعَانَ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَمُدْرِكُونَ، قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ [الشعراء: ۶۱، ۶۲]

”جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے بالمقابل آئیں تو اصحابِ موسیٰ نے کہا ہم تو



پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔“
یہاں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد ہے کہ فرعون کے مقابلے میں مدد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔
الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ (۵۴)

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ جہمیہ (گم راہ لوگوں) کا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں:
(فلما ظهرت الحجة على الجهمي بما ادعى على الله انه مع خلقه في كل
شيء غير مما س رشي ولا مباین له فقلنا.....)) کتاب مذکور (۵۴)
”جہمی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اللہ ہر چیز میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہے وہ کسی
چیز کے ساتھ ملا ہوا بھی نہیں اور نہ کسی چیز سے جدا ہے تو ہم اس سے کہیں گے۔“ الخ
والله المهادي الى سواء السبيل



عبد المنان

آداب تلاوت

(کلاس: قاری لقمان محمدی صاحب)

- ۱۔ قرآن کو خالص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے پڑھنا چاہیے۔
- ۲۔ قرآن کو پاک و صاف ہو کر ہاتھ لگانا چاہیے۔
- ۳۔ قرآن ابتدا میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی چاہیے۔
- ۴۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوبصورت آواز میں پڑھنا چاہیے۔
- ۵۔ نماز پڑھنے والے کے قریب بلند آواز سے تلاوت نہیں کرنی چاہیے۔
- ۶۔ قرآن کے معنی و مفہوم کو سمجھ کر تلاوت کرنی چاہیے۔
- ۷۔ قرآن کو تجوید اور قراءت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق پڑھنا چاہیے۔
- ۸۔ قرآن مجید کو عمل کی نیت سے پڑھنا چاہیے اور اسکے حلال و حرام اور معروف و منکر کا علم حاصل کرنا چاہیے۔



قسط نمبر 3



اک کتاب ایسی بھی

محمد عمر فاروق ایم اے (حاصل پور)

ہے....!



پولیوس کے خطوط:

پولیوس کی طرف 14 خطوط منسوب کئے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے اس میں سے صرف دس خطوط کے متعلق اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ وہ پال کے ہیں۔ اس کا پہلا اور دوسرا خط اس کے کسی مرید کا کام ہے۔ اس کے ایک خط ”عبرانیوں“ کے بارے میں بھی محققین کو شک ہے۔ یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چھٹی کتاب کے باب 25 میں اریجن کا قول نقل کیا ہے کہ ”پولیوس نے تمام گرجوں کو کچھ نہیں لکھا مگر بعض کو جو لکھا بھی تو دو چار سطر۔“

یوسی بیس اریجن کے اس قول کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ایونیوں کے نزدیک پولیوس نیک آدمی نہ تھا اور یہ تورات سے منحرف تھا۔ اگرچہ عیسائی علماء کا ہی اس بات پر اتفاق نہ ہے بلکہ شک و شبہ ہے کہ یہ خطوط پولیوس نے لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بات بھی واضح ہے کہ یہ خط الہامی نہیں بلکہ اس کی اپنی تخلیق ہیں۔

یعقوب کا عام خط:

جیمس میک کنن کہتا ہے کہ ”دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا ہے کہ یہ خط یعقوب کا ہے۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا راہنما اور پیشوا مارٹن لوتھر اس خط کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ ”گھاس پھوس ہے“۔ عیسائی عقائد کے مطابق یہ یعقوب عیسیٰ کا قریبی بھائی تھا۔

یوحنا کے تین خطوط:

جس طرح یوحنا کی انجیل کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ عیسیٰ کے حواری کی نہ ہے اس طرح ان تینوں خطوط میں بھی شک و شبہ پایا جاتا ہے۔

یوحنا کے پہلے خط کے بارے میں مفتاح الکتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس خط کے شروع یا آخر



میں یوحنا کا نام نہیں مگر ہر زمانہ کے لوگ اسی رسول کو اس خط کا راقم کہتے ہیں۔“ یاد رہے کہ خط کس کو لکھا گیا ہے؟ واضح نہ ہے۔

یوحنا کے دوسرے خط کے بارے میں مفتاح الکتاب کا مصنف لکھتا ہے ”کہ جس برگزیدہ بی بی کو یہ خط لکھا گیا ہے وہ بظاہر ایک عزت دار بیوہ تھی جو کلیسوں میں مشہور تھی۔ لیکن اس تحقیق کی خبر نہیں وہ کہاں کی رہنے والی ہے؟“ یاد رہے کہ اس خط میں بھی راقم کا کہیں ذکر نہ ہے جبکہ مفتاح الکتاب کا مصنف کہتا ہے کہ یہ یوحنا کا ہی لکھا ہوا خط ہے اور 69ء عیسوی میں لکھا گیا ہے۔ نہ جانے مفتاح الکتاب کے مصنف کو کیسے اندازہ ہوا کہ اس کا کاتب وہی یوحنا ہے یا صرف اٹکل پچو ہے۔

یوحنا کے تیسرے خط کے بارے میں ناموس الکتاب میں لکھا ہے کہ یہ ”فلیمون کے نام خط کی مانند ایک نئی خط ہے جو ایک دوسری کلیسا کے بزرگ دوست گیس کے نام ہے۔“

یوحنا کا مکاشفہ:

اسی مصنف جس نے یوحنا انجیل اور تین خط لکھے۔ یہ بھی اسی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ یوسی بیس اپنی کتاب تاریخ میں اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ بعض نے کتاب مشاہدات کو علیحدہ کر دیا ہے اور اس کے رد میں کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب کچھ بے معنی ہے اور جہالت کا بہت بڑا حجاب ہے اور یوحنا کی طرف اس کی نسبت بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس کا مصنف نہ کوئی پاک شخص ہے نہ کوئی عیسائی ہے بلکہ ایک ملحد ”سرن تھس“ ہے۔ جس نے اپنی تصنیف یوحنا کے نام غلط موسوم کر دی۔ اس کتاب کا انداز بیان ایسا ہے جس کی بہت ساری تاویلات کی جاسکتی ہیں۔ اس کا زمانہ تالیف 68ء یا 95ء بتایا جاتا ہے۔

پطرس کے خطوط:

پطرس کے لکھے ہوئے دو خطوط انجیل مقدس میں پائے جاتے ہیں جبکہ پہلا خط اس وقت لکھا گیا جب کہ پطرس مر چکا تھا۔ دوسرے خط کا اسلوب و بیان نہ صرف پہلے خط سے مختلف ہے بلکہ پوری انجیل مقدس سے مختلف ہے اور اس میں یہود کی شرکت اس کے خط کو اور بھی زیادہ مشتبہ بنا دیتی ہے۔



پطرس کے متعلق انجیل کے دو حوالہ جات دیکھئے ”کم اعتقاد کیوں ایمان لایا؟“ متی باب نمبر ۱۴ آیت نمبر ۱۳۔ دوسرے موقع پر عیسیٰ نے ان کو شیطان کہا۔ متی باب نمبر ۱۶ آیت نمبر ۲۳۔ پولیوس کے قول کے مطابق پطرس ریا کار تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی پطرس کے دو خطوط عہد نامہ جدید (انجیل مقدس) میں شامل کئے گئے۔ جن کے متعلق عیسائی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ الہامی ہیں۔

یہودا کا خط:

یہ خط یوحنا کے تینوں خطوط اور یوحنا کی کتاب مکاشفہ کے درمیان تحریر ہے۔ اس خط کے بارے میں قاموس الکتاب میں لکھا ہے ”بعض علماء کے خیال کے مطابق خط کا مضمون ’غناطیت‘ کی تردید کرتا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۱۵۰ء کے لگ بھگ لکھا گیا۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس کا مصنف کوئی گناہم شخص ہے جس نے اسے یہوداہ کے فرضی نام سے لکھا۔ راسخ الاعتقاد علماء اس نظریہ کو اس بناء پر رد کرتے ہیں اس طرح یہ خط بھی جعلی ثابت ہوگا۔ (قاموس الکتاب صفحہ نمبر ۱۱۸۶)

کیا انجیل مقدس تضادات سے پاک ہے؟

تورات کی طرح انجیل مقدس کی افادیت جانچنے کے لیے اولین کسوٹی اور معیار بھی یہی ہے کہ وہ تضادات، تحریفات و ترامیم اور تغیرات سے پاک رہا ہو۔

الہامی کتب کو انسانی اذہان کی تخلیق کردہ کتب پر اس لیے فوقیت ہوتی ہے کہ الہامی کتب ہر قسم کی بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہے۔ انجیل مقدس کو الہامی ماننے والے ذرا ان تضادات کو تو دیکھیں جو انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ متی اور لوقا کی انجیل حضرت عیسیٰ کا نسب نامہ لکھتے ہوئے ان کا نسب نامہ باب یوسف کی طرف لکھتے ہیں جبکہ وہ دونوں خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یسوع مسیح یوسف کے نطفہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ مریم روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئی۔

متی باب نمبر ۱ آیت نمبر ۱۸

لوقا باب نمبر ۱ آیت ۳۵

۱۔ لہذا یسوع کا نسب نامہ ماں کی طرف ہونا چاہئے تھا یسوع ابن مریم نہ کہ یسوع ابن یوسف۔



۲۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق واقعات میں بھی تضادات ہیں۔

متی کی انجیل	لوقا کی انجیل
مریم یوسف کے ساتھ منگنی کے عرصہ میں حاملہ ہوئی اور نکاح کے بعد یوسف کو پتہ چلا تو اس نے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ باب نمبر ۱ آیت ۱۸ تا ۲۵	یسوع مسیح کی پیدائش کے وقت تک یوسف مریم کا منگیتر تھا شوہر نہ تھا۔ باب ۲ آیت نمبر ۵
یسوع کی پیدائش بیت لحم یہودا کے علاقے کے ایک گھر میں ہوئی۔ باب نمبر ۲ آیت نمبر ۱ تا ۱۰	لوقا کے مطابق یوسف اپنی منگیتر کو لے کر بیت لحم گیا ہوا تھا جہاں اسکی پیدائش ایک چرنی کی جگہ پر ہوئی لہذا اس کو لپیٹ کر چرنی (جانوروں کے کھانے کی جگہ) پر رکھا گیا۔ باب ۲ آیت نمبر ۷ تا ۷

۳۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق ایک آسمانی آواز کا بھی ذکر ہے۔ متی لکھتا ہے کہ ”اور دیکھو

آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے میں خوش ہوں۔ (باب ۳ آیت ۱۷)۔

جبکہ لوقا نے لکھا ہے ”اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش

ہوں۔“ (باب ۳ آیت نمبر ۲۲)

۴۔ عیسائی عالموں کی طرف سے عیسیٰ کا ایک واعظ بھی اکثر اوقات شائع کیا جاتا ہے متی کے

مطابق یہ واعظ گلیل کے کسی پہاڑی علاقے کا ہے۔ (باب ۴ آیت ۲۳) جبکہ لوقا کے مطابق یہ واعظ

میدانی علاقے کا ہے۔ (باب ۶ آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰)

قارئین کرام:

اسی طرح کے بے شمار تضادات ہیں جو انجیل مقدس میں پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض جگہوں پر یہ عہد



نامہ قدیم سے بھی متضاد لکھ جاتی ہے۔ اور میں ایک بار پھر لکھنے پر مجبور ہوں کہ الہامی کتب بشری لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی رہنما ہے۔ اس لیے جو کلام اور قوانین اس کی طرف سے نازل ہوں ان میں نوع انسانی کے لیے صداقت اور نور و ہدایت مضمّن ہوتا ہے۔ نہ تو جہالت کی تاریکی ہوتی ہے نہ ہی لاعلمی کا جواز باقی رہتا ہے۔

اگر انسان ایمان کی استعداد سے محروم اور یقین کی دولت سے ہی دامن ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا کلام جو ہر لغزش سے مبرا ہے۔ اس انسان کے لئے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر اللہ کے نازل کردہ کلام میں انسانی مداخلت ہو جائے تو یہ مداخلت اپنا ایک الگ رنگ چھوڑ جاتی ہے۔ اس کلام کی حیثیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ یہی حال تمام مذاہب کی کتب کا ہے۔ بالخصوص عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا۔ غیر عیسائیوں کے برعکس خود مسیحی اور یہودی علماء اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ان کی اصل سند کیا ہے؟ عیسائی آج تک اس بات کا جواب نہ دے سکے کہ کیا تمام انا جیل اور صحف حضرت مسیح کی موجودگی میں ضبط تحریر میں لائے گئے؟ کیا موجودہ صحیفہ وہی صحیفہ ہے جو مسیحؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا؟ کیا کلام الہی ضائع نہ ہو گیا ہے؟ کیا اس کلام کو مرتب کرنے والوں نے اپنی یادداشتوں کے بل بوتے پر اس کو مرتب نہ کیا ہے؟ کیا اس وقت اگر لکھنے کا رواج نہ تھا تو کیا کوئی باقاعدہ حفظ کرنے کا نظام تھا؟ اگر حفظ کرنے کا باقاعدہ اہتمام موجود نہ تھا تو موجودہ ترتیب وقوع پر کس طرح اعتماد و بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ بہر حال اس ساری بحث کے بعد ہم یہ نتائج اخذ کرتے ہیں۔

1۔ ہمارے سامنے جو عہد نامہ موجود ہے اس کا مسیح سے تعلق نہیں ہے۔

2۔ مسیحیت کی عمارت جن مذہبی نظریات اور تعلیمات پر مبنی ہے وہ الہامی تعلیمات نہ ہیں۔

3۔ حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کا بیٹا ہونا، صلیب دیئے جانا، دوسری زندگی کا ملنا، تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جانا، تجسیم تمام سینٹ پال کے عقائد ہیں اور اس کی ذہنی اختراعات ہیں۔

4۔ موجودہ الہام کے لکھنے والوں نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے۔

5۔ موجودہ کتب اور صحائف کا زمانہ غیر متعین ہے۔



6- حضرت عیسیٰ کی زبان آرامی تھی جبکہ 34 اناجیل 113 خطوط جو دوسری صدی میں رائج تھے۔ ان کی زبان یونانی تھی۔

7- موجودہ اناجیل اور خطوط کے انتخاب کا نزالہ اور غیر سائنٹیفک طریقہ نکالا گیا جو قرین عقل نہ تھا۔

8- موجودہ انجیل ترجمہ در ترجمہ ہے، جس سے بے شمار تضادات پیدا ہو گئے۔

9- پہلی ہی صدی سے الحاق، کتمان اور تحریف کیونکہ جھوٹ بولنا عیسائی مذہب میں جائز ہے۔

قارئین کرام اس وقت دنیا میں ایسی انجیل بھی موجود ہے۔ جو عیسیٰ کے شاگرد برناباس نے لکھی ہے۔ جبکہ یہ انجیل عیسائی مکاتب فکر کو قبول نہ ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں ”کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے۔ جو قرآن اور حدیث کا علم رکھتا تھا اور اس نے یہ برناباس کی طرف منسوب کر دی“ یہ انجیل عیسائیت کو کیوں قبول نہ ہے۔ اسکی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

1- اس میں عقیدہ تثلیث اور عقیدہ کفارہ کی تردید کی گئی ہے۔

2- موجودہ عیسائیت کے بانی سینٹ پال کی مذمت کی گئی ہے۔

3- آخری نبی ﷺ کی واضح ترین پیشین گوئی موجود ہے۔

4- حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کیلئے پیش کیا تھا۔ نہ کہ حضرت اسحاقؑ کو

5- یہ انجیل اس بات کی تردید کرتی ہے کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔

اسلام

اسلام کی مذہبی مرکزی کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ کتاب اللہ کی طرف سے بندے کی طرف نازل کی گئی جس کے نزول کے بارے میں خود قرآن میں تذکرہ ہے۔ کہ ”اگر یہ قرآن اللہ کے سواء کسی اور کی

طرف سے ہوتا تو اس میں بہت تضاد پایا جاتا۔ (سورۃ النساء آیت ۲۸)

اس آیت سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کا مصنف خود اللہ تعالیٰ ہے جو غلطیوں سے مبرا ہے۔

اور اس اللہ کے کلام کی خاصیت یہ ہے کہ یہ غلطیوں سے بالکل صاف ہے۔ اگر یہ لفظ ”قرۃ“ سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں جمع کی ہوئی چیز۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اول و

آخر علوم کا مجموعہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اے نبی ﷺ ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے“ (سورۃ النحل آیت ۸۹)

اگر یہ لفظ ”قرۃ“ سے مشتق ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں پہلا یہ کہ حضرت جبرائیلؑ آتے تو پڑھ کر سنا جاتے تھے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گئی اور ان معانی کے لحاظ سے یہ ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو اس کی صداقت اور حقانیت پر دلالت کرتی ہے۔ جس کا اقرار مخالفین بھی کرتے ہیں۔ اگر ”قرآن“ سے مشتق ہو تو قرآن کے معانی ہیں ملنا اور ساتھ رہنا۔ اس مفہوم کی رو سے قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتا ہے نیز اس کی سورتیں اور آیات بھی اس طرح آپس میں جوڑی ہوئی ہیں اور کہیں بھی تعارض اور تخالف نہیں ہے۔ اس کتاب کے اور بھی بہت سے نام ہیں ہر ایک اپنے اندر ایک مستقل مضمون رکھتا ہے۔

☆ قرآن مجید کا مصنف خود اللہ تعالیٰ ہیں۔ جنہوں نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق اپنے بندے اور رسول محمد بن عبد اللہ ﷺ کے قلب پر مختلف صورتوں میں نازل فرمایا۔ اور محمد بن عبد اللہ ﷺ کی امانت و دیانت کی گواہی سارا عرب دیتا تھا۔ اور ان پر اس وقت لکھنے کا بھی رواج موجود تھا۔ جس کے بارے میں تاریخی شواہد ملتے ہیں۔ جب قرآن نازل ہوتا تو ساتھ ساتھ اس کو لکھوا لیا کرتے تھے۔ جس کی بہت ساری اندرونی اور بیرونی شہادتیں موجود ہیں۔ سر ولیم میور کی شہادت اس بات پر کافی ہوگی ”لیکن اس بات کو ماننے کے لئے زبردست وجوہ موجود ہیں۔ کہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن کے نسخے لکھے ہوئے صحابہ کے پاس موجود تھے۔ اور ان نسخوں پر سارا قرآن قریباً لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے وجود نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر عروج پر تھا اور مدینہ میں جا کر تو خود پیغمبر نے اپنے مراسلات لکھوانے کیلئے کئی صحابہ مقرر کیئے ہوئے تھے۔ جو لوگ بدر میں قیدی ہو کر آئے انہیں اس بات پر رہائی دی گئی کہ وہ مدنی لوگوں کو لکھنا سکھا دیں اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے“ (لائف آف محمد کا دیباچہ سر ولیم میور صفحہ ۲۸)۔



اس وقت قرآن کے لکھے جانے کے دلائل خود قرآن کے اندر بھی ہیں۔ جس طرح بے شمار آیات میں قرآن مجید کو کتاب کہا گیا ہے اور کتاب کے معانی لکھے ہوئے کے ہیں اور اسی طرح قرآن میں قرآن کیلئے صحیفہ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جس کے معانی ہیں ”لکھے ہوئے کاغذ“۔

قرآن میں ایک جگہ بیان ہے ”یہ قرآن بڑی قدر و منزلت والا ہے اس محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں“۔ اس آیت سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تحریف نہیں ہو سکتی اور دوسرا یہ کہ یہ وحی ابتداء سے احاطہ تحریر میں لائی گئی ہے۔ تو چھونے کا کیا مطلب؟ اسلامی تاریخ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ایمان لانے کا واقعہ بہت اہمیت کا حامل ہے، جس میں ان کے بہنوئی حضرت خباب کے پاس قرآن کی جلد موجود تھی جس میں سورۃ طہ لکھی ہوئی تھی۔ قرآن میں کفار کو قرآن کے مد مقابل قرآن لکھ کر لانے کا ایک عظیم ترین چیلنج موجود ہے۔ اس چیلنج سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ اس وقت قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اگر لکھی ہوئی نہ ہوتیں تو چیلنج بے سود تھا اور کفار بھی کہہ سکتے تھے کہ پہلے لکھی ہوئی سورتیں تو دکھلاؤ؟ قرآن کے اپنی شہادتوں کے اور اسلام کی دوسری مستند تاریخ و حدیث، جس میں بھی قرآن کے لکھنے کے بارے میں دلائل موجود ہیں۔

1۔ رسول کریم ﷺ پر جب کوئی چیز نازل ہوتی تو جو لکھنا جانتے تھے اس میں سے کسی کو آپ بلوا بھیجتے اور کہتے کہ اس آیت کو اس سورت میں لکھو نبی ﷺ نہ صرف لکھوا دیتے بلکہ لکھوانے کے بعد پڑھوا کر درستی بھی کرتے تھے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ زید بن ثابت کہتے ہیں ”میں رسول ﷺ کیلئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپ ﷺ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر حاضر ہو جاتا۔ آپ ﷺ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کریم کی نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے لگی ہے اور میں کبھی چل پھر نہ سکوں گا بس جب میں فارغ ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے پڑھو میں پڑھ کر سناتا..... (بقیہ صفحہ نمبر ۳۸ پر)

حَدَّثَنَا مَكِّي بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پہلی قسط

سند (Chain) کیا ہے..؟

تحریر: محمد حسنین شا کر فاضل جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم)

سند کی لغوی تعریف

سند کا لغوی معنی ”سہارے“ کے ہیں۔

① ”فلان سند ای معتمد“ فلان سند ہے یعنی معتمد ہے جس پر اعتبار کیا جاتا ہے۔

[مختار الصحاح للرازی تحت ماده س، ن، د]

① ”الاسناد فی الحدیث رفعه الی قائله“ حدیث کا اس کے کہنے والے کی طرف انتساب۔

[مختار الصحاح للرازی تحت ماده س، ن، د]

① ”السند ما ارتفع من الأرض فی قبل الجبل او الوادی والجمع الاسناد“

پہاڑ یا وادی میں جو جگہ زمین سے بلند ہو اس کو ”سند“ کہتے ہیں۔ اس کی جمع ”اسناد“ ہے۔

[لسان العرب لابن منظور / ۲۲۰]

اصطلاحی تعریف

اصطلاح حدیث میں (سند) سے مراد، راویوں کا وہ سلسلہ ہے، جو تبع تابعی، تابعی، صحابی سے ہو کر اس

”متن“ (Text) تک پہنچتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔

(۱) ”طریق متن الحدیث“ متن حدیث کا راستہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”هو الطريق الموصلة الى المتن“ وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہے۔

[توجیه النظر ص ۲۵. نزہۃ النظر فی توضیح النخبۃ الفکر ص ۹۲]

(۲) ”وسند الحديث هو ما ذكر قبل المتن، ويقال: الطريق لانه يوصل الى المقصود هنا وهو الحديث كما يوصل الطريق المحسوس الى ما يقصد السالك فيه“

”سند حدیث وہ ہے جو متن سے پہلے ہے اور اس کو طریق (راستہ) کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے۔ جس طرح راستہ (طریق) چلنے والے کو اس کے مقصد تک پہنچاتا ہے۔“
[توجید النظر ص ۲۵]

سند اور اسناد ہم معنی الفاظ ہیں

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ امام طبری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ دونوں الفاظ معنی میں ایک ہیں حفاظ حدیث صحت وضعف حدیث میں ان (اسناد) پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ابن جماعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں سند اور اسناد ایک ہی معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

[تدریب الراوی فی شرح تقریب الراوی الامام سوطی (۴۱، ۴۲)]

حدیث میں اسناد مصدر استعمال نہیں ہوتا اس کی جمع نہیں بلکہ یہ وہ ہے جو کہ تشنیہ (Dual) اسندان۔ اور جمع (Plura) اسانید استعمال ہوتا ہے۔
[توجیہ النظر ص ۲۵]

حضرت عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

سند کی لغوی واصطلاحی تعریف کو حضرت عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب ”التعلیقات السلفیة علی النسائی“ نے اس طرح جمع کیا ہے۔

”هو الاخبار عن طريق المتن ماخوذ امامن السند وهو ما ارتفع و علی من سفح الجبل لان الراوی یرفعه الی قائله او عن قولهم فلان سند ای معتمد فسمی الطريق الموصلة الی المتن ای الرواة الذین یتوصل بهم الی الحديث سموا بذلك لاعتماد الفاظ صحة الحديث و ضعفه اليهم“

”وہ طریق متن کی خبر ہے یہ تو سند سے ماخوذ (Derived) ہے جو کہ دامن کوہ سے بلند



ہے کیونکہ راوی اس کو کہنے والے تک پہنچتا ہے یا ان (اہل لغت) کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ فلان سند یعنی قابل بھروسہ اور معتمد ہے اس کا نام وہ راستہ ہے جو متن تک پہنچتا ہے یعنی راویوں کا سلسلہ جن کی وجہ سے حدیث تک پہنچا جائے کیونکہ الفاظ حدیث کی صحت وضعف کا دار و مدار ان پر ہے، انہوں نے یہ نام (مسند) دیا ہے۔“

[مقدمہ اتحات النبیه فیما یتحتاج الیہ المحدث والفقیه از شاہ ولی اللہ ص ۱۳ علوم الحدیث از ڈاکٹر عبدالروف ظفر ص ۹۳]

سند کی مثال

الاعمش عن ابراهیم عن علقمة عن عبد اللہ قال رسول اللہ

یہ ایک سند ہے۔ اس سند میں

(۱) حضرت اعمش رضی اللہ عنہ م ۱۲۷ھ (راوی ہیں جو اپنے استاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تابعی) سے روایت کرتے ہیں

(۲) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ م ۹۶ھ (اپنے استاد حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ تابعی سے روایت کرتے ہیں۔

(۳) حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ م ۶۲ھ (اپنے استاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی) سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ م ۳۲ھ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم م ۱۱ھ) سے روایت کرتے ہیں۔

سند حدیث کی اہمیت

مشہور ضرب المثل ہے: ”وما آفة الاخبار الا روا تھا۔“

”خبروں کی آفت ان کے روای ہیں۔“

اور یہ ضرب المثل ایک حقیقت ہے کہ اختلاف ملل وادیان اور تہذیب و تمدن کے فرق کے باوجود سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹے کی خبر کی تصدیق نہیں کی جاتی نہ اس کی روایت اور گفتگو کو قبول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ وہ کبھی سچ بھی بولتا ہے، عام طور پر سچے کی بات کو قبول کیا



جاتا ہے اور اس کی بات کا یقین کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اگرچہ لوگ جانتے ہوں کہ سچے آدمی کے جھوٹ بولنے کا بھی امکان ہے۔ واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں ان میں خبر کے غلط یا صحیح ہونے کا انحصار راوی پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خبر یا حدیث یا روایت کے بیان کرنے میں اصل چیز سند ہے۔ اسکے بیان کرنے والوں کی ایمان داری اور صداقت کی عادت، اس لحاظ سے حدیث کی صحت کو راوی کے صدق و عدل سے پرکھا جاتا ہے کبھی کبھی راوی کا سوء الحفظ ہونا اس کا سبب بنتا ہے، محدثین کے طریقے کار پر کوئی کلام نہیں کیونکہ وہ اسناد میں شامل راویوں کی چھان بین کرتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی بلکہ انہوں نے سند حدیث پر متن سے بڑھ کر توجہ دی۔ حضرات محدثین صرف حدیثوں کے ناقلین ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں ناقدین بھی ہیں۔

اس نازک دور میں کہ جب رفض و اعتزال جیسے فتنوں نے سراٹھایا۔ اپنی دسیسہ کاریوں سے علم حدیث کے صافی چشموں کو مکدر کیا گدلا کیا۔ ایک طرف ہوائے نفس کے تحت احادیث سازی کا طوفان اٹھا۔ تو دوسری طرف انکار حدیث کے فتنہ نے سراٹھایا۔ کسی نے اصحاب رسول کی مدح اور فضائل و مناقب میں وارد شدہ احادیث صحیحہ کا کھلے عام انکار کیا اور اصحاب رسول کے پاک اور بے داغ دامنوں کو داغدار دکھانے کی فتنیج و شنیع جسارت کرتے ہوئے ان کی قدح میں احادیث گھڑنا شروع کیں۔ اور کسی نے اہل بیت رسول کے محامد میں منقول احادیث صحیحہ کو رد کیا اور انکے ناموس کو داغدار کرنے کی مذموم جسارت کی۔

معتزلہ نے الہیات کے ان نازک پہلوؤں پر گفتگو کی کہ جن پر گفتگو نہ کرنا ہی بہتر تھا۔ صفات باری تعالیٰ اور ان پر دلالت کرنے والی احادیث و آثار صحیحہ کا کھلے بندوں انکار کیا گیا۔

اس پر آشوب و پر فتن دور میں محدثین کرام نے احادیث و آثار کو پرکھنے کے لیے، احادیث کی صحت و ضعف کی چھان بین کے لیے، جن اصولوں کو مرتب کیا دراصل وہ قواعد و اصول، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ہی مترشح و ماخوذ تھے۔ حدیث کی صحت و ضعف کی پہچان کے لیے محدثین کے پاس سب سے اہم ترین آلہ سند ہی تھا۔

قرآن کریم اور علم الاسناد

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾
 ”کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی دکھاؤ کہ انھوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شراکت ہے، اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو۔“ [سورة الاحقاف : ٤]

اس آیت میں لفظ ”اثارة“ محل استدلال ہے لفظ اثارة اصل ”اثر“ ہے جس کے معنی روایت کے ہیں اس کے تین مصدر مستعمل ہیں (۱) اثرۃ (۲) اثارة (۳) اثر قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ”فتح القدیر“ میں فرماتے ہیں کہ:

”اصل الكلمة من الاثر وهي الرواية يقال: آثرت الحديث وآثره أثره وأثارة وأثرا اذا ذكرته عن غيرك وقال عطاء: او شيء تأثرونه عن نبي كان قبل محمد قال مقاتل: او رواية من علم الأنبياء“

”یہ لفظ اثر کے مادے ((Root)) سے ہے۔ جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے تو اس موقع پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے، مشہور تابعی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آخر الزمان سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو،“

مشہور مفسر مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”یا علم انبیاء میں سے کوئی روایت پیش کرو۔“

قاموس میں ہے۔

”الأثرۃ المکرمة المتوارثۃ، کالمأثرۃ والبقیۃ من العلم توثر کالآثرۃ

والأثارة“



”اثر اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباء و اجداد سے اولاد کی طرف منتقل ہوتے چلی آتی ہے اور اس یقینہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ جیسا کہ اثرۃ اور اثارة کا مفہوم ہے۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ اثارة، سند، نقل، اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے:

(الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ۔

(ب) یا کوئی ایسی نقل و روایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو، ظاہر ہے کوئی سی نقل و روایت بغیر ناقل و راوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اس لیے سند یعنی سلسلہ رواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام منقول کا صحت و ضعف واضح نہیں ہو سکتا۔

[منہج المقال، ص ۲۹۸: الصافی، ۱/۴]

حدیث اور علم الاسناد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

”اور جو رسول ﷺ تمہیں دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کریں تو اس سے باز آ جاؤ۔“

جبرۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً“

”مجھ سے تمہیں ایک بات بھی پہنچے اس آگے پہنچاؤ۔“

اسی موقع پر فرمایا:

”فیبليغ الشاهد الغائب“

”جو موجود ہیں وہ غیر موجود (لوگوں) تک اسے (دین) کو پہنچا دیں۔“

اس نوعیت کے کلمات اور ارشادات سے اندازا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی احادیث



دوسروں تک پہنچانے کی کس قدر فکر تھی یہ ذمہ داری آپ ﷺ نے اپنے قدسی و پاک باز اصحاب رضی اللہ عنہم کو سونپی پاک پیغمبر ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((تسمعون و یسمع منکم و یسمع ممن یسمع منکم))

”تم لوگ مجھ سے سنتے ہو دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔“

یہ ایک فطرتی (Natural) اور منطقی (Logical) اصول ہے کہ جس کا جتنا مرتبہ ہے اس پر ذمہ داری بھی اسی قدر ہے اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے امت کے بڑوں پر اس ذمہ داری کو عائد کیا ہے کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو قرآن وحدیث کے علوم سے پوری طرح روشناس کریں۔ جب یہ سلسلہ من الاعلیٰ الی الادنیٰ آگے بڑھا تو اسناد کے سلسلے معرض وجود میں آئے خیر القرون کے اس زمانہ میں لوگوں کے قلوب واذہان عدل وایمان کے نور سے جگمگا رہے تھے اسلیے اسناد کی کوئی اتنی اہمیت واضح نہ ہوئی مگر جوں ہی زمانہ آگے بڑھا تو اسناد کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی اور محدثین اس پر کاربند ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہی زمانوں کے متعلق فرمایا:

(خیر القرون قرنی ثم الذین یلوئہم، ثم الذین یلوئہم، ثم الذین یلوئہم)

”سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کے بعد والوں کا، پھر ان کے بعد والوں کا، پھر

ان کے بعد والوں کا“

لیکن جب زمانے کے انداز بدل گئے اور وضع حدیث اور انکا حدیث کے فتنوں نے سر اٹھایا تو اس زمانے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((ثم ینکون بعدہم قوم یشہدون ولا یشہدون، ویخونون ولا یؤتمنون

،ویندرون ولا یوفون ویظہر فیہم السمن))

”ان کے بعد ایسی قوم آئے گی جن سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی لیکن وہ گواہی دیں گے

، وہ خیانت کریں گے اور ان کے پاس امانت نہیں رکھی جائے گی وہ نذر مانیں گے لیکن پوری



نہیں کریں گے اور وہ موٹے تازے ہوں گے۔“ [صحیح مسلم ۶۴۷۵]
 نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يكون في آخر الزمان دجالون كذابون ياتونكم من احدى اقطار الارض يفتنونكم ولا تسمعوا انتم ولا اباؤكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم))
 [مقدمہ صحیح مسلم (۱۴)]

”عنقریب میری امت میں ایسے لوگوں آئیں گے، جھوٹے اور دھوکہ باز ہو گئے، وہ تمہارے پاس ایسی حدیث گھڑ کر لائیں گے، جو نہ تم نے بلکہ نہ تمہارے آباؤ اجداد نے سنی ہوں گی، خبردار وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں نہ فتنے میں ڈال دیں“
 نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کہہ دے۔“
 [(صحیح مسلم: ۵) و ابوداؤد (۴۹۹۲)] مذکورہ بالا احادیث سند کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔



(بقیہ صفحہ نمبر: ۳۰) اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اس کو لوگوں کے سامنے لاتے، نبی ﷺ کے پاس کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔ اور کاتبوں کی زیادہ تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو کوئی نہ کوئی ضرور مل جائے۔ حنظلہ بن ربیعؓ کے بارے میں ہے کہ وہ کاتبوں کے نائب تھے اور انہیں یہ حکم تھا کہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ حاضر ہیں تاکہ ضرورت پر بلایا جاسکے۔ (جاری ہے.....)

(بقیہ صفحہ نمبر: ۵۵) میرے والد محترم کی روحانی اولاد ملک اور بیرون ملک ان کا صدقہ جاریہ ہے۔ آپ کی حقیقی اولاد میں سے بھی دو بچے (حافظ عبید الرحمن اعظم اور مولانا عطاء الرحمن اعظم) بھی ان کے صدقہ جاریہ میں شامل ہیں۔ دعا ہے کہ رب کریم ہمارے والد محترم کے صدقہ جاریہ کو قبول فرمائے اور ان کو اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین
 ۔ نظر ڈالی نہ تھی اس نے کبھی اسباب زینت پر خدا رحمت کرے اس پاکباز و نیک طینت پر



تحریر:
قاری لقمان محمدی
(مدرس جامعہ ہذا)

زبان کی حفاظت

انسان اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتا ہے چاہئے کہ وہ اسے سوچ سمجھ کر نکالے۔ لفظ کوئی بھی جوادا ہو جاتا ہے واپس نہیں آتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ سورہ ق (۱۸/۵۰)

”(انسان) منہ سے کوئی لفظ نہیں نکال پاتا مگر اس کے پاس نگہبان (فرشتہ) تیار ہے۔“

لہذا زبان سے ادا ہونے والا لفظ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتے کی ڈائری میں ہمیشہ کیلئے مرتب ہو جاتا ہے وہ لفظ چاہے اچھا ہو یا برا۔ انسان کی زبان سے نکلنے والا لفظ اسکی آخرت بھی بنا سکتا ہے اور آخرت تباہ بھی کر سکتا ہے۔ اسی ضمن میں صحیح بخاری کی حدیث کا مطالعہ فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ))

”بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ایک بات زبان سے ادا کرتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے مگر اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ درجات بلند کر دیتا ہے اور ایک دوسرا بندہ ایسا کلمہ منہ سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے لیکن اسی کی

وجہ سے وہ جہنم کے اندر چلا جاتا ہے۔“ بخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان (۶۴۴۸)

لہذا زبان کو پہلے ”سوچو پھر بولو“ کے تحت استعمال کرنا چاہئے۔ زبان کی حفاظت بڑی بات ہے اسکی حفاظت کرنیوالا کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”کہ انسان پر سب سے زیادہ مصیبتیں زبان کی وجہ سے آتی ہیں۔“ انسان پر مصائب اور پریشانیوں کے آنے میں زبان کا



بڑا عمل دخل ہے۔ زبان ہی کی وجہ سے آخرت برباد ہوتی ہے اگر استعمال برا ہو، اسی طرح گھر برباد ہو جاتے ہیں بڑی بڑی لڑائیاں جنم لیتی ہیں۔

زبان کا برا استعمال مثلاً گانے گانا، جھوٹ بولنا، غیبت اور چغلی کرنا، گالیاں بکنا، دھوکہ دینا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک کے الفاظ بولنا اور قولیاں کرنا وغیرہ یہ سب زبان کے برے استعمال ہیں۔ اللہ ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسکے برعکس زبان کا اچھا استعمال مثلاً قرآن حکیم کا تلاوت فرمانا، حدیث مصطفیٰ ﷺ کا مطالعہ فرمانا، ذکر واذکار کرنا، مسنون وظائف کا کرنا اسکے علاوہ سنت رسول ﷺ کی دعوت دینا اور دین کی تبلیغ کرنا وغیرہ یہ سب زبان کی اچھائیاں ہیں۔ ویسے بھی انسان کو کم گو ہونا چاہیے ہر وقت بولنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ ضرورت کے تحت ہی بولنا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكَلِّمْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ))

”جو شخص اللہ رب العزت اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو بھلائی کی بات کہے

یا خاموش رہے۔“ بخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان (۶۴۷۵)، مسلم (۱۷۳)

لیکن آج کے دور میں کم ہی ایسے لوگ ہیں جو زبان کو کم استعمال کرتے ہیں۔ اکثریت زبان کو قینچی کی طرح چلاتے ہیں اور بے مقصد باتیں کرتے رہتے ہیں۔ فحش گوئی، لچر پن اور بیہودہ مذاق، طعن و تشنیع یہ سب زبان کی ہلاکتیں ہیں اور فضولیات ہیں۔ زبان کو قابو میں رکھنا اور اسکی حفاظت کرنا ایک اچھے انسان کی پہچان ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جتنا زبان کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے اتنا کسی اور کی نہیں۔ یہی مومن کی صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْغَوَمِ مَعْرُضُونَ﴾

”مومن وہ، جو لغویات سے کنارہ کشی کرنے والے ہیں۔“

لغویات سے پرہیز کر نیوالی تمام خواتین مومنانہ اوصاف میں شامل ہیں لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ معاشرے کی خواتین اکثریت سے اس ”صفت“ سے کنارہ کش ہیں۔ جہاں دو خواتین اکٹھی ہوں وہاں تیسری کجخلاف اپنے ذہن میں نفرت کا مواد جمع رکھتیں ہیں۔ خواتین کی زبان کی زد

میں آئیوا لا چاہے کوئی بھی ہونچ نہیں سکتا اس حوالے سے ایک لطیفہ بھی پڑھتے جائیے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے دربار میں اعلان کروایا کہ کل جو شخص دربار میں سب سے بڑا جھوٹ بولے گا اسکو انعام سے نوازا جائیگا۔ اگلے دن دربار لگا بادشاہ اپنی مسند پہ بیٹھا لوگوں کے جھوٹ سننے کیلئے بے تاب تھا۔ اعلان کے مطابق ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے بادشاہ سلامت رات میں نے جہاز پر سواری کی اور دنیا بھر کی سیر کی بادشاہ نے کہا یہ کوئی بڑا جھوٹ نہیں۔ دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے بادشاہ میں نے رات کو جنت دیکھی اور اسکی سیر کی بادشاہ نے کہا یہ کوئی بڑا جھوٹ نہیں۔ اب ایک تیسرا بندہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا بادشاہ سلامت میں راستے میں آ رہا تھا کہ میں نے دیکھا دو عورتیں بالکل خاموش بیٹھی ہیں۔ بادشاہ نے آرڈر جاری کیا کہ اسکو انعام دیا جائے اس نے بڑا جھوٹ مارا ہے۔ دو عورتیں بیٹھیں ہوں تو کبھی خاموش نہیں رہ سکتیں۔ ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنا یا کسی کی عزت کو اچھالنا ان کیلئے مشکل نہیں۔ جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنَ لَهُ الْجَنَّةَ))

”جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے جو اس کے دو جبروں کے درمیان ہے اور جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (زبان اور شرم گاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

بخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان (۶۴۷۴)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں

((مَنْ وَقَاهُ اللَّهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

”جسے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے شر سے بچالیا جو اس کے دو جبروں کے درمیان ہے اور اس چیز کے شر سے جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی زبان اور شرم گاہ) وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

ترمذی، الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان (۲۴۰۹) والصحیحة (۵۱۰)

یعنی زبان کی حفاظت سے مراد کسی کے خلاف ہتک آمیز جملے بولنا، گالیاں دینا، عزت کو نیلام کرنا، جھوٹ بولنا، شرکیہ الفاظ کا استعمال وغیرہ ہے۔ زبان کو انسان کے تمام اعضاء میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے اسکو اچھا استعمال کرنا چاہیے یہی ایک اچھے انسان کی پہچان ہے۔

تحریر: محمد عظیم حاصلپوری

وہ بھی چل بسے

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے یوں محفل بھی رہتی ہے
ساقی کی نوازش جاری ہے مہمان بدلتے رہتے ہیں

دنیا دار فانی ہے جس میں آمد و رفت کا سلسلہ تا قیامت جاری و ساری ہے۔ جس نے بھی اس دنیائے فانی میں قدم رکھا بالآخر اسے داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا اور اپنے پیچھے اہل خانہ عزیز و اقارب اور احباب کو مغموم اور رنج و الم کے کھنور میں چھوڑ کر چل بسا۔ کل نفس ذائقة الموت

15 مارچ 2011 بروز منگل کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا لیکن کیا خبر تھی کہ آج اس کی روشنی کے مدھم ہوتے ہی اک چراغ اور بجھ کر ہمیشہ کیلئے گل ہو جائیگا۔ میری مراد ہمارے مدوح حضرت مولانا محمد اعظم صاحب آج ہم سے یوں اچانک ہنستے مسکراتے قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے بازگشت عام کرتے بچھڑے کہ جیسے پھولوں سے خوشبو اور آفتاب و مہتاب سے ضوا اچانک ختم ہو جائے۔

ہمیں SMS کے ذریعے بعد از نماز عصر مولانا کی رحلت کی خبر ملی پہلے پہل تو دل نے تسلیم نہ کیا، شاید یہ مذاق ہے... شاید یہ کسی اور شخص کی خبر ہے.....، مگر تصدیق ہوئی تو آنکھ میں آنسو تیرنے سے لگے چہرہ ادا اس، ذہن پریشان، دل افسردہ سا ہو گیا اور زبان پر بے اختیار جاری ہو گیا اناللہ وانا الیہ راجعون

۔ کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب
کہ بیتابی سے ہر ایک تار بستر خار بستر ہے

مختصر تعارف:

شیخ کے والد محترم جناب عمر دین تحصیل سپرو ضلع سیالکوٹ کے قصبہ باسو پنوں کے رہائشی تھے آپ مئی



1944ء میں اسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث والنفیر حضرت مولانا ابوالبرکات احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم دینیہ کی تعلیم کے حصول میں مشغول ہو گئے اور علوم اسلامیہ کے تمام شعبہ جات میں آپ ہمیشہ اعلیٰ پوزیشن پر ہی رہے۔ مولانا کی شادی نوشہرہ روڈ پر ایک مذہبی گھرانے ملک حاجی اسماعیل کے گھر 1965ء میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد نرینہ سے بھی نوازا ہوا تھا آپ کی اولاد میں سات بیٹے ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ عبید الرحمن اعظم خرتیج جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ ڈبل ایم۔ اے، ایم ایڈ، خطیب مسجد خورشید سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ و مہتمم مسجد و مدرسہ رحمانیہ فاروق گنج۔ گورنمنٹ ٹیچر اقبال ہائی سکول گوجرانوالہ

۲۔ مولانا عطاء الرحمن اعظم ایم۔ اے، بی ایڈ، خطیب جامع مسجد رحمانیہ

۳۔ محترم ملک عقیق الرحمن اعظم صاحب (پیشہ تجارت)

۴۔ محترم ملک خلیل الرحمن اعظم صاحب (پیشہ تجارت)

۵۔ محترم ملک عزیز الرحمن اعظم صاحب (پیشہ تجارت)

۶۔ محترم ملک مطیع الرحمن اعظم صاحب (زیر تعلیم)

۷۔ محترم ملک فضل الرحمن اعظم صاحب (زیر تعلیم)

بڑے تین بیٹے شادی شدہ ہیں اور باقی غیر شادی شدہ ہیں علاوہ ازیں آپ کی آٹھ بیٹیاں ہیں سب کی سب دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں ان میں چھ شادی شدہ ہیں اور قابل ستائش یہ بات کہ آپ کے تمام داماد عالم دین ہیں۔

خدمات:

آپ نے اول تا آخر تدریسی خدمات جامعہ اسلامیہ ہی میں ادا کیں اور خطابت کے فرائض جامع مسجد رحمانیہ الحمدیث محلہ فاروق گنج میں ہی ساری عمر ادا کئے۔ جماعتی وابستگی ہمیشہ دامن گیر رہی اور مختلف عہدوں پر اپنی ذمہ داری کو با حسن طریقہ سے ادا کرتے رہے جن میں آپ ناظم تعلیمات مرکزی



جمعیت اہلحدیث پاکستان اور ناظم امتحانات وفاق المدارس السلفیہ پاکستان بھی رہے آپ کے مشہور اساتذہ میں سے چند ایک یہ ہیں: مولانا احمد حسن انبالویؒ حضرت مولانا ابوالبرکات احمدؒ قاری محمد تکی خان بھوجیانیؒ

آپ کے شاگردوں کی فہرست اگرچہ بہت لمبی ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں تاہم چند اک معروف شخصیات کا ذکر کرتے ہیں:

مولانا سید محمد اکرم شاہؒ، مولانا عبدالعلیم علویؒ، مولانا حافظ محمد عباس انجم گوندلویؒ، مولانا عطاء اللہ ساجد، حافظ اسعد محمود سلفیؒ، میاں محمد جمیل ایم اے، حافظ عبدالسمیع عاصم، قاری محمد دریس عاصم، مولانا حافظ مسعود عالم صاحب -

تبلیغی دورے:

آپ علیہ الرحمہ نے ملک کے طول و عرض میں جہاں تبلیغ دین کی خاطر دورے کئے اسی طرح بیرون ممالک بھی گئے متعدد بار سعودی عرب کی تنظیم رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ تبلیغی دوروں پر گئے۔ ایک بار آپ نے حج بطور شاہی مہمان ادا کیا، اسی طرح برطانیہ بھی دوبار برمنگھم ہونے والی کانفرنس میں خطاب کے لیے تشریف بھی لے گئے تھے۔

جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) سے تعلق

موصوف جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ کے نگران حافظ اسعد محمود سلفی صاحب کے بزرگ اساتذہ میں سے ایک تھے اسی لیے وہ ہر سال جامعہ کے سالانہ امتحانات کے موقع پر آپ ہی کو مدعو فرماتے۔ شیخ ہر سال امتحانات کے موقع پر جامعہ میں تین دن صبح و شام تک ٹھہرتے ظہر و عصر کے بعد اکثر درس قرآن و حدیث ارشاد فرماتے جس میں طلباء کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے۔ عوام الناس کو وعظ و نصیحت کرتے اور جامعہ کی انتظامیہ کی کاوشوں کو سراہتے۔ جامعہ کے شعبہ حفظ القرآن کے صدر مدرس قاری احسان اللہ اولکھ صاحب ان دنوں انکی خدمت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ شیخ انہیں فرماتے اگر میرے دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنا ہے تو میرے ساتھ تمام جامعہ کے



اساتذہ کا کھانا بھی تیار کرنا ورنہ بندہ کھانا تناول کرنے سے معذور ہے۔ تمام اساتذہ کے ساتھ بیٹھتے اور مجلس میں اساتذہ کو مخاطب کر کے نصیحت بھری باتیں کرتے، موصوف کی تمام مجالس بڑی بارونق ہوتیں تھیں۔ لوگ آپ کی مجلس سے فرحت محسوس کرتے تھے خصوصاً جب طلباء اور علماء کی خاص مجلس ہوتی تو سبھی آپ کی باتوں اور نصیحت آموز گفتگو سے محظوظ ہوتے کیونکہ آپ کی ہر بات معنی خیز ہوتی تھی دوران گفتگو مزاح پیدا کر کے مجلس کو گلزار بنا دیتے اور انکی صحبت میں بیٹھ کر بوریت بھی شگفتگی میں بدل جاتی ہے۔

احباب کے تاثرات

امیر مرکزیہ پروفیسر ساجد میر صاحب نے نماز جنازہ کی ادائیگی سے قبل موصوف کی مدح صرائی میں چند باتیں کیں اور فرمایا کہ مجھے مولانا عبداللہ شینوریؒ کے بعد آج بہت زیادہ دھچکا لگا ہے اور شدید صدمہ پہنچا ہے۔

مولانا صادق عتیق صاحب (امیر سٹی گوجرانوالہ) نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم مولانا کو کہا کرتے تھے کہ آپ اب جماعتی اور تدریسی کام چھوڑ دیں آپ کی طہیت اس کی اجازت نہیں دیتی تو فرما کرتے تھے کہ میری دلی تمنا یہ ہے کہ مجھے جب موت آئے تو قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوئے آئے۔ اللہ نے واقعی ان کی بات کو سچ کر دکھایا۔

دل و جان بیچ کے احسان اتارے اس کے
خود کو ناپید کیا نقش ابھارے اس کے

کتابیات:

موصوف اپنے علمی رسوخ کی وجہ سے ہر فن سے خدمات دینیہ سرانجام دیتے رہے یعنی تدریس و تقریر اور تحریر کے ساتھ۔ اگرچہ مولانا نے بہت ضخیم کتب تو تحریر نہیں کیں۔ لیکن بہت سے اخلاقی، سماجی اور معاشی و معاشرتی معاملات کو مختصر کتابچوں کی صورت میں پیش کر کے معاشرے کے ہر فرد تک پہنچانے کی کوشش کی۔



- ۱۔ معراج مصطفیٰ ۲۔ شان مصطفیٰ ۳۔ شب برأت
- ۴۔ باہمی احترام کے اسلامی اصول ۵۔ مقام حدیث
- ۶۔ احکام اسلام ۷۔ رشوت حرام ۸۔ جہاد اسلامی
- ۹۔ اتحاد امت ۱۰۔ واقعہ کربلا ۱۱۔ حج مسنون
- ۱۲۔ مسائل قربانی ۱۳۔ فضائل رمضان

وفات و جنازہ:

15 مارچ بروز منگل کو مولانا روٹین ورک کے مطابق صبح گھر سے جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لیے نکلے بعد از ظہر وہاں سے جامعہ تعلیم القرآن للبنات میں حاضر ہوئے (جہاں آپ عرصہ 18 سال سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں) اور بچیوں کو بخاری شریف کا سبق پڑھانے کے بعد ہنستے مسکراتے اپنے بڑے بیٹے مولانا عبید الرحمن صاحب کے ساتھ گھر تشریف لے گئے، طبیعت میں کچھ تلخی سی محسوس کی تو لیٹ گئے اور اللہ کا بلاوا آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

16 مارچ کو نوشہرہ روڈ ٹینگی والی گراؤنڈ میں موصوف کی نماز جنازہ ادا کی گئی آپ کا جنازہ امیر مرکزیہ پروفیسر ساجد میر صاحب نے انتہائی رقت آمیز انداز میں پڑھائی آپ کے نماز جنازہ میں ملک بھر کے جید علماء کرام جن میں کثیر تعداد آپ کے شاگردوں اور علماء کرام کی تھی۔

اس موقع پر مسلک کتاب و سنت کے ترجمان ”حدیث ٹی وی گوجرانوالہ“ اور ”پیغام سٹوڈیو لاہور“ کی ٹیم کے احباب محترم ندیم خلیل صاحب اور محترم عظیم صاحب، سعد صاحب، عبدالرحمن صاحب بھی موجود تھے جنہوں نے مولانا کی ڈاکو میٹری تیاری کی اور حدیث ٹی وی سٹی گوجرانوالہ میں ریلیز کر کے انہیں خراج تحسین پیش کیا، مولانا کی مکمل ڈاکو میٹری انٹرنیٹ یوٹوب پر بھی موجود ہے صاحب ذوق دیکھنے کے لیے یوٹوب پر لکھیں ”محمد اعظم گوجرانوالہ“

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

تحریہ
محمد ابراہیم ظہیر

اک دیا اور بجھا!



15 مارچ کی شام اپنے آفس میں روٹین ورک کی مصروفیت میں تھا کہ اچانک مولانا عبدالرشید ملک صاحب نے یہ افسوسناک اطلاع دی کہ شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ میرے تو ہوش گم ہو گئے۔ زبان صرف انا اللہ وانا الیہ راجعون ہی الاپ رہی تھی۔ ان کا فون کب کا بند ہو چکا تھا مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ خبر پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ مولانا عبدالرشید ملک حضرت الاستاذ کے داماد ہیں، مگر اس کے باوجود بھی ایک موہوم سی امید کے تحت حضرت الشیخ ہی کے نمبر پر کال ملائی تو حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا عبید الرحمن اعظم کی رندھی ہوئی آواز اس یقین کو پختہ کر گئی کہ واقعی قیامت تو بیت چکی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث ہمیں چھوڑ کر اللہ کے جوار رحمت میں جا ٹھہرے ہیں، ان شاء اللہ۔

قارئین عظام! شیخ الحدیث والنفسیر حضرت مولانا محمد اعظم صاحب تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے قصبہ باسو پنوں میں مئی 1944ء میں ایک مزدور جناب عمر دین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ آپ کی ولادت کے صرف تین سال بعد ہی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں یوں آپ کے والد محترم نے ہی آپ کو ماں اور باپ کا پیار دیا۔ آپ کے والد محترم کا کولہو کا بیل تھا، اور یہی اس گھرانے کا ذریعہ معاش، والد نے اپنی اولاد کو رزق حلال کھلایا، آپ تھوڑے سے بڑے ہوئے تو ابتدائی رسمی تعلیم کے لئے آپ کو باسو پنوں کی مسجد کے خطیب مولانا احمد حسن انبالویؒ کی خدمت میں تعلیم کے لئے بھیج دیا گیا، مولانا احمد حسن کی جہان دیدہ نگاہوں نے اس بچے کی پیشانی پر چھلکتی ذہانت کے آثار کو دیکھا اور اسے دینی تعلیم کیلئے عالم اسلام کی عظیم دانش گاہ جامعہ اسلامیہ چاہ شاہاں حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ میں داخل کروانے کا عزم کیا، بچے کے والد محترم کی اجازت ملی تو اس وقت تو گورنمنٹ سکول چوہڑ منڈا سیالکوٹ سے یہ بچہ ٹڈل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر چکا تھا۔ 1959ء کی ایک شام کو حضرت مولانا احمد حسن انبالویؒ اپنے اس نونہال شاگرد کو لیکر جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث والنفسیر



حضرت مولانا ابوالبرکات احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بچہ قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے ان کے سپرد کیا اور خود واپس گاؤں چلے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب نے راقم الحروف کو خود بتایا تھا کہ مجھے جامعہ اسلامیہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمدؒ مدرسی کی بے پناہ شفقتیں میسر رہیں اور خصوصاً حضرت قاری محمد تکی خان بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ نے میری تعلیمی ضروریات کا خاص خیال رکھا۔ جامعہ اسلامیہ میں دوران تعلیم ہی حضرت قاری تکی خان بھوجیانی کی ترغیب پر حضرت الاستاذ نے انٹر، ادیب عربی، فاضل عربی، اور عالم عربی جیسے وقیع کورس کئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب بڑے ادب و احترام سے حضرت قاری یکب خان بھوجیانی کا نام لیا کرتے تھے کہ ان کی نیکی ہے کہ انہوں نے نہ صرف مجھے ان امتحانات میں شریک ہونے کا حکم دیا بلکہ کتابیں بھی خود لے کر دیں۔ 1959ء سے 1967ء کا عرصہ حضرت الاستاذ کے تعلیمی دورانیہ کا ہے۔ اور اس دوران آپ ہر سال جامعہ میں اول آتے رہے۔

دوران تعلیم آپ کو حضرت علامہ احسان الہی ظہیر شہیدؒ، شہید اسلام مولانا حبیب الرحمان یزدانی شہیدؒ، شیخ الحدیث مولانا حفیظ الرحمان لکھوی، مناظر اسلام حافظ محمد عبداللہ شیخوپوریؒ، علامہ محمد مدنی (آف جہلم) مولانا محمود احمد میرپوریؒ جیسے مخلص رفقاء کی رفاقت میسر رہی۔ اگرچہ حضرت علامہ شہید مولانا سے تعلیمی کلاس میں سینئر تھے مگر تعلق اتنا گہرا تھا کہ ساری زندگی نہ ٹوٹ سکا۔ 1967ء میں ہی جامع مسجد رحمانیہ الہمدیث محلہ فاروق گنج میں حضرت الشیخ ابوالبرکات احمدؒ نے آپ کو بطور خطیب بھیج دیا اور اس مسجد کا منبر بھی آپ کی وفات کے بعد ہی آپ سے خالی ہوا ہے، جامعہ اسلامیہ سے ہی محدث عرب و عجم حضرت حافظ محمد محدث گوندلویؒ کے ہاتھوں سند فراغت پاتے ہی آپ کو بطور مدرس جامعہ اسلامیہ میں ہی فائز کر دیا گیا اس وقت سے لیکر تا دم آخریں حضرت نے جامعہ اسلامیہ کی انہی چٹائیوں پر بیٹھ کر بڑے جید علماء اور شیوخ الحدیث تیار کئے۔ آپ کے نامور شاگردوں میں الحاج میاں محمد جمیل ایم ے (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت الہمدیث پاکستان) شیخ الحدیث مولانا سید محمد اکرم شاہؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالعلیم علویؒ، شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عباس انجم گوندلویؒ، مولانا عطاء اللہ ساجد، حافظ عبدالسمیع عاصم، شیخ القراء قاری محمد ادریس عاصم، شیخ الحدیث مولانا حافظ مسعود

عالم، مولانا حبیب الرحمان جہلمی آف برطانیہ، شیخ الحدیث مولانا عبد السلام آف کوٹ بھوانی داس، مولانا حافظ اسعد محمود سلفی، پروفیسر عبدالستار حامد، مولانا عطاء الرحمان بنگالی اور دیگر لاتعداد ایسے افراد شامل ہیں جو آج جید علماء اور شیوخ الحدیث کی صفوں میں شامل ہوتے ہیں اور یہ سب لوگ حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ اور انہیں میں سے کچھ ہم ایسے نالائق لوگ بھی اس بات کا فخر یہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم بھی حضرت الشیخ کے شاگردوں کی صف میں شامل ہیں

شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی خوبصورت اور باوقار زندگی گزاری، آپ کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ پہلے دن جس جماعت سے وابستہ ہوئے فوت ہونے والے دن بھی اسی جماعت میں تھے۔ جس جامعہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر اللہ کے دین کی تعلیم حاصل کی اسی جامعہ میں نائب شیخ الحدیث کی مسند پر بیٹھ کر زندگی کے آخری دن سبق پڑھایا، جس مسجد میں پہلے دن خطبہ جمعہ کے لئے منبر سنبھالا اسی مسجد کے منبر پر اپنی زندگی کا آخری خطبہ اور درس دیا۔ گستاخی معاف اگر ہم استاد محترم کے حوالے سے ازراہ تفنن کہیں کہ جس خاتون کو انہوں نے حضرت الشیخ ابوالبرکات احمدؒ کے حکم پر اپنی زوجیت میں قبول کیا تو آخری دن بھی اسی کا شوہر ہونے کے ناطے گزارا۔ یہ اکٹھی چار خوبیاں بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کی جماعتی، تعلیمی، تبلیغی اور تدریسی خدمات کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ آپ علامہ شہید کی رفاقت اور شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہؒ کی قیادت میں ہمیشہ جماعت کی مین سٹریم میں رہے۔ جمعیت اہلحدیث پنجاب کے امیر، ناظم، مرکزی سیکرٹری اطلاعات اور آج کل ناظم تعلیمات کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ شہری جمعیت میں آپ تقریباً 26 برس تک جماعت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے تحصیل ناظم کے طور پر بھی کام کیا۔ آپ قائد اہلحدیث علامہ پروفیسر ساجد میر کے دست راست اور انتہائی قابل اعتماد ساتھی تھے، اور اس بات کا اظہار امیر مرکزی نے نماز جنازہ کے موقع پر تعزیتی کلمات کہتے ہوئے بھی فرمایا۔ امیر محترم نے ارشاد فرمایا کہ ”آج مجھے حافظ عبداللہ شیخ پوریؒ کے بعد دوسرے بڑے ذاتی نقصان کا احساس ہوا ہے۔“ اس سے قبل جب راقم الحروف نے حضرت الامیر کو استاد محترم کی وفات کی خبر دی تو بے ساختہ امیر محترم پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی



تھی، ایک اہم میٹنگ میں اسلام آباد جانے کے لئے آپ نے لاہور سے ٹکٹ کی بکنگ بھی کروا رکھی تھی مگر اپنے عظیم ساتھی کو خراج تحسین پیش کرنے اور انہیں اپنی خصوصی الوداعی دعاؤں میں رخصت کرنے کے لئے امیر محترم نے اپنی تمام تر مصروفیات کو ختم کر دیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب نے اتحاد امت کے حوالے سے ہمیشہ انتہائی مثبت رول ادا کیا۔ اسی وجہ سے گوجرانوالہ کی انتظامیہ کی طرف سے کئی بار آپ کو اعزازی شیلڈز اور انعامات دے کر آپ کی قدر افزائی کی گئی۔ آپ نے گوجرانوالہ کو امن کا گہوارہ رکھنے میں بھی اپنا اہم کردار ادا کرنے میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، ڈسٹرکٹ امن کمیٹی کے اہم ممبر رہے۔ آپ نے مفتی کی حیثیت سے بھی اپنے علم کا لوہا منوایا۔ اہلیان گوجرانوالہ اپنے ذاتی، نجی اور خاندانی مسائل کے حل کے لئے آپ کے باب علم کو اکثر کھٹکھٹاتے اور تسکین قلب کا سامان کرتے۔ آپ نے تصنیف کے میدان میں بھی اپنی ثقاہت علمی کو منوایا، چھوٹے پمفلٹس کی صورت میں سماجی مسائل کا خوبصورت انداز میں تجزیہ اور ان کا حل بتلایا۔ آپ نے ”معراج مصطفیٰ“، ”شان مصطفیٰ“، ”شب برأت“، ”باہمی احترام کے اسلامی اصول، مقام حدیث، احکام اسلام، رشوت حرام، جہاد اسلامی، اتحاد امت، واقعہ کربلا، حج مسنون، مسائل قربانی اور فضائل رمضان“ کے عنوانات پر مختصر مگر انتہائی مؤثر اور جامع کتابچے تحریر کئے۔ آپ کے کتابچوں کی تعریف ہم نے خود ڈی سی او گوجرانوالہ، آر پی او گوجرانوالہ اور دیگر انتظامی افسران کے علاوہ تمام مسالک کے علماء اور شیوخ کی زبانی سنی ہے۔

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب کے انتقال کی خبر پورے پاکستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی، ٹی وی چینلز نے بریکنگ نیوز کے طور پر عوام الناس کو حضرت کے سانحہ ارتحال سے آگاہ کیا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث سٹی کی قیادت مولانا محمد صادق عتیق، مولانا محمد مشتاق چیمہ، حافظ عمران عریف، حافظ عبدالشکور شیخوپوری، عبدالرحمان بٹ، حکیم افضل جمال، حافظ امتیاز محمدی اور دیگر کارکنان حضرت الاستاذ کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے، نماز جنازہ کے لئے انتظامات کے لئے راقم الحروف کی ڈیوٹی لگی جبکہ سکیورٹی کے لئے اہلحدیث یوتھ فورس کے شاہینوں نے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ گراؤنڈ کا جائزہ لیا گیا اور ایک پلان تشکیل دے کر اس پر کام شروع کر دیا گیا۔ الحمد للہ



ہمارے لئے یہ بہت بڑا چیلنج تھا، علماء کی حفاظت اور کسی بھی قسم کے ناخوشگوار واقعے سے نمٹنے کے لئے جس چوکسی اور محنت کی ضرورت تھی ہمارے ساتھیوں نے وہ بڑی تندہی سے سرانجام دی۔ سید حبیب الرحمن ترمذی، صدر اہلحدیث یوتھ فورس اپنے شاہینوں کے ساتھ صبح ہی سے آن موجود ہوئے، حافظ عباس راشد صاحب نے ڈیوٹی خوب نبھائی، محترم ریاض بٹ صاحب اور جامعہ اسلامیہ کے طلباء نے بھی اپنے ذمے کے کام بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیئے۔

نماز جنازہ کے وقت سے بہت پہلے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ہم نے جنازہ کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد کو دیکھا تو بے اختیار وہ مقولہ یاد آیا کہ ہمارے حق یا باطل ہونے کا فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے۔ بلا مبالغہ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ سارا گوجرانوالہ ہی حضرت کی جدائی کے غم میں نڈھال ٹپکنی والی گراؤنڈ میں کھینچا چلا آ رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ امیر مرکزی علامہ پروفیسر ساجد میر نے انتہائی رقت آمیز انداز میں پڑھایا کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہو۔ ایک مختلط اندازے کے مطابق حضرت کی نماز جنازہ پچاس ہزار افراد نے پڑھی اور یہ بلا مبالغہ گوجرانوالہ کی تاریخ کا ایک بہت بڑا جنازہ تھا۔ نماز جنازہ سے پہلے مولانا عبداللہ نثار، مولانا قاری محمد حنیف ربانی، مولانا یاسین ظفر، مولانا زاہد الراشدی، حافظ عبدالسلام بھٹوی، حافظ عبدالغفار روپڑی، الیس اے حمید، عثمان ابراہیم، مولانا محمد صادق عتیق، مولانا محمد مشتاق چیمہ، حافظ امین محمدی، شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد راشدی اور دیگر جید علماء نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت الاستاذ کی دینی، سیاسی، تعلیمی و تدریسی خدمات کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں نئی نسل کے لیے ایک رول ماڈل قرار دیا۔ آہوں اور سسکیوں میں نماز جنازہ کے بعد آسمان علم و عمل کے تاجور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اعظم صاحب کو قبرستان کلاں میں سپرد رحمت باری کر دیا گیا۔ یوں ایک تاریخ اپنے اختتام کو پہنچی اور اللہ کا فیصلہ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربك ذو الجلال والاكرام سچا ثابت ہوا۔ حضرت کفن کے سفید لباس میں کتنے فخر رہے تھے کہ بے اختیار مجھے ایک شعر یاد آ رہا تھا

سفید لباس اسے بہت پسند تھا شاید اسی لئے وہ کفن میں خوبصورت لگا



قاری عنایت اللہ ربانی کاشمیری
(مدرس جامعہ ہذا)

منبع علم و عمل - محسن العلماء



داغِ فراق و صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع تھی سو وہ بھی خاموش ہوئی
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا و لفریب اس کی نگاہ دلیواز
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اعظم صاحب جن کو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے، کہتے تھے لیکن آج رحمۃ اللہ علیہ کہتے، لکھتے قلم
کا پتہ دل دھڑکتا چہرہ کمالات نظر آتا ہے۔ حضرت اسم با مسمیٰ تھے نام کے بھی اعظم کام میں بھی
اعظم۔ علالت کے بعد کئی سال تک ظاہری عارضہ کو کام میں آڑے نہ آنے دیا اُسی طرح
پروگرام، درس و تدریس، سفر، جلسے، کانفرنس اور امتحانات میٹنگز میں تشریف لے جاتے۔ ادارے میں
قبل از وقت تشریف آوری پڑھائی میں اخلاص و انہماک، طلبا سے ہمدردی شفقت و مہربانی مدارس کی
انتظامیہ کی حوصلہ افزائی کمزور طلبا کی دلجوئی دورانِ خطاب ہم عصر علما و اساتذہ کی تحسین اور نونیز علما کا
بھرپور تعارف اور پھر خطابت میں سلاست و طراوت، دلائل و براہین کی بھرمار، استدلال و استنباط کی
عمدگی، اردو، عربی اور فارسی کے اشعار کی پیوندکاری اور پھر سب سے زیادہ یہ کہ قرآنی آیات و احادیث
مبارکہ کی تلاوت سے خطاب کو چار چاند لگ جاتے۔

موقع محل کے مطابق موضوع اور وقت کی پابندی کا خاص خیال فرماتے۔ جہاں کہیں امتحان لینے یا
درس بخاری کیلئے تشریف لے جاتے تو بغیر کہے نماز پڑھانے کے بعد درس ارشاد فرماتے اور اس میں
مدرسہ کی کارگزاری احسن انداز میں بیان فرماتے۔ ویسے تو حضرت میرے دادا اُستاد تھے لیکن اگر کبھی
کسی پروگرام یا امتحان کے موقع پر یا کبھی ملنے جاتا تو ازراہ شفقت یوں گویا ہوتے کہ میرا قاری آگیا
ہے۔ سا ہیوال میرے قیام کے دوران وہاں تشریف لے جاتے تو میرے گھر قدم نہجہ فرما کر عزت
افزائی فرماتے۔

جس دن حضرت نے اعلیٰ علیین کی طرف رخت سفر باندھا ہے جامعہ اسلامیہ اور باجی ثریا صاحبہ
کے جامعہ میں بخاری کلاس کو پڑھا کر گھر گئے ہیں تھوڑی ہی دیر کے بعد میں وہاں پہنچا ہی ہوں کہ



اطلاع آئی کہ حضرت دارفانی سے کوچ فرما کر حقیقی نعمتوں سے بھرپور راحتوں سے معمور زندگی کی طرف جا چکے ہیں۔ طلباء و طالبات ہی نہیں بلکہ سبھی حزین و غمگین تھے اور تصور میں یہ کہتے ہوئے۔

تھی آخرت کی آپ کو کس قدر جلدی کوئی گھڑی اور بھی اگر جیئے ہوتے
خوب کٹنا جاتا آخرت کا راستہ ساتھ ہم کو بھی اگر لیے ہوتے

امام القراءۃ المکرم حضرت الشیخ محمد ادریس عاصم رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے شاگرد رشید ہیں بے پناہ دلی تعلق تھا حضرت فرمایا کرتے تھے الشیخ ادریس شیخ القراءۃ ہیں میں نے جب حضرت الشیخ کو اطلاع دی تو رات 11 بجے ہی پہنچ گئے رات 1 بجے میرے ساتھ مسجد مکرم تشریف لائے ساری رات آنکھ نہیں لگی اگلے دن جنازہ سے قبل اور بعد میں 3 بجے تک ادھر رہے انتہائی شدت کے غم میں بار بار (اناللہ وانا الیہ راجعون) ہی پڑھتے رہے۔ حضرت الشیخ نے کئی باتیں بتائی ہیں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں کہ طلباء سے ہمدردی کتنی ہے۔

حضرت الشیخ فرماتے ہیں جب ہم پڑھتے تھے تو دو لڑکوں نے جمعہ والے دن کسی لڑکے کی بخیری نکال کر کھالی اور ساتھ ہم دو تین لڑکوں کو بھی ایک ایک دو دو نوالے کھلائے۔ ہم بھی انکی ذاتی سمجھ کر کھا گئے۔ اگلے دن اس لڑکے نے علامہ ابوالبرکات احمد رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کا ارادہ کیا میں نے سوچا حضرت نے کہنا ہے ماشاء اللہ بھائی اللہ کے فضل سے قاری صاحب نے بخیری کھائی ہے۔ تو یہ بڑی بے عزتی ہے۔ الشیخ کہتے ہیں کہ میں نے معاملہ حضرت کے گوش گزار کر دیا فرمانے لگے گھبراؤ نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔ لڑکوں کو بلایا ڈنڈا منگوایا ہمیں بہت ڈرایا۔ 2، 3 ڈنڈے نیچے زمین پر بھی زور سے مارے۔ بس آج میں نے نہیں چھوڑنا مجھے بہت غصہ ہے تم نے اس بیچارے کا نقصان کیا ہے۔ اس سے وہ لڑکا مطمئن ہوتا نظر آیا تو فرمانے لگے ابھی تم پیسے لے لو کتنا خرچہ آیا ہے وہ کہنے لگا گاؤں کے حساب سے 40 روپے اور شہر کے حساب سے 60 روپے خرچ آتے ہیں۔ اسکو کہنے لگے تم نے تو گاؤں سے ہی بنوائی ہے۔ پھر ہم سب کو سختی سے ڈانٹا کہ اب تم پیسے دے دو تو ٹھیک ورنہ تمہاری خیر نہیں تو تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم اسکا نقصان کرو۔ سب نے اپنی اپنی جیبوں کو ٹٹولا پیسے نہ نکلے تھوڑی دیر کے بعد جب وہ لڑکا مزید مطمئن ہوتا نظر آیا کہ صحیح تفتیش ہو رہی ہے تو آہستہ سے اسکے کان میں فرمانے لگے کہ چلو یا تم انکو معاف ہی کرو تمہارے بھائی ہیں تمہیں اجر ملے گا اس نے بخوشی معاف کر دیا اس طرح کام بھی ہو گیا اور طلباء سزا سے بھی بچ گئے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ



رب ارحمہما کما ریننی صغیرا

میرا عظیم باپ

تحریر: مولانا حافظ عبید الرحمن اعظم ڈیل ایم۔ اے، ایم ایڈ

پیکرِ انسان، شخصیت پر وقار، طبیعت خوددار، خطابت دھواں دار، قلم گوہر بار، خوش گفتار، با کردار، چہرہ اجلا، مزاج جمالی، مقام عالی، عادات و اطوار مثالی، الجھاؤ سے نفرت، سلجھاؤ کے شوقین، اتحاد امت کے مشعل بردار، امن و آشتی کے علمبردار، اپنی ذات میں انجمن دعوت و اصلاح کے مشن پر گامزن، حاسدین و معاندین سے بے نیاز، مصلح و نواز، طلبہ کیلئے شفیق، احباب کے رفیق، اسلاف کے صدیق، کہنہ مشوق ادیب، بے باک خطیب، نظم جماعت کے نقیب، قائدِ لیب، شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والفقیر، جنہیں ایک دنیا جانتی ہے وہ ہیں میرے والدِ محترم مولانا اعظم رحمۃ اللہ جو کہ مئی 1944ء کو ایک غیر معروف بستی باسوپنوں تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا احمد احسن رحمۃ اللہ سے حاصل کی۔ اسکے بعد گورنمنٹ مڈل سکول (چوہڑ منڈا) سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے والدِ محترم ملک عمر دین کی یہ آرزو کہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم دین بنے۔ اس آرزو کی تکمیل کیلئے اپنے بیٹے کو شہر گوجرانوالہ کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ اہلحدیث گلشن آباد گوجرانوالہ میں داخل کروایا جہاں انہوں نے جماعت کے نامور اساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد اعظم گوندلوی رحمۃ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات احمد رحمۃ اللہ جیسی شخصیات سے دینی علوم سے بہرہ ور ہوئے۔

دورانِ تعلیم بڑی محنت سے دین کا علم سیکھا۔ اساتذہ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو اسی جامعہ میں استاد منتخب کر لیا۔ تقریباً چوالیس (44) سال تک اسی جامعہ میں تادم آخر تدریس کا کام سرانجام دیا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ خطابت اپنے استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات احمد رحمۃ اللہ کے حکم پر جامع مسجد رحمانیہ اہلحدیث فاروق گنج میں شروع کی، اور تقریباً چھیالیس (46) برس تک اس جامع



میں بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ تدریس اور خطابت کیساتھ ساتھ امن کے داعی کی حیثیت سے ملک اور بیرون ملک تبلیغی دورے کئے۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے بزرگ علماء کی راہ نمائی اور حوصلہ افزائی نے دشتِ خطابت میں صحرا نوردی کا ذوق بخشا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ جامعہ محمدیہ میں تقریب بخاری شریف کے سلسلے میں مولانا حافظ عبدالحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ساہیوال نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور بعد نماز جمعہ یکے بعد دیگر متعدد علماء کرام سے سیرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف گوشوں پر تقاریریں فرمائیں۔ حتیٰ کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اسٹیج سیکڑی نے میرے نام کا اعلان کیا میں نے وقت کی تنگ دامانی کے باعث معذرت کی مگر حافظ عبدالحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے حکماً فرمایا کہ آپ کو ہر صورت تقریر کرنی ہوگی۔ اب میرے لیے عذر کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لیکن ایک چیز مجھے پریشان کر رہی تھی کہ مجھ سے پہلے اکثر علماء کرام نے سیرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا میں کروں تو کیا کروں بہر حال تعمیل ارشاد کی خاطر اٹھا اور رب شرح لی صدری پڑھ کر شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تاریخ شرفند و بخارا کو انتہائی اختصار سے اور پوری گھن گرج کیساتھ پیش کر دی۔

اس وقت محراب میں اصحاب ثلاثہ (حافظ عبدالحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ) جلوہ افروز تھے۔ بزرگوں نے تحسین فرمائی اور صدیقی صاحب مرحوم نے فرمایا بیٹا آج سے میرے ساتھ عہد کرو کہ تم آئندہ مستقل میدانِ خطابت سے وابستہ رہو گے۔ پھر آپ نے ہمت دی۔ جس کی مثال اس واقعہ سے ملتی ہے۔ علامہ عبدالحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لگھڑ کی جماعت نے تقریر کا وعدہ لیا تو علامہ صاحب نے کہا کہ پہلے مولانا محمد اعظم سے تقریر کا وعدہ لو پھر میں وعدہ دوں گا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مواقع پر پذیرائی بخشی۔ اس کے بعد قائد المحدث علامہ پروفیسر ساجد میر رحمۃ اللہ علیہ نے اس معاملہ میں خصوصی شفقت فرمائی۔ وہ اکثر اپنے اساتذہ اور محسن کا ذکر گاہے بگاہے کرتے رہتے تھے۔ اور ان کیلئے دعا گورہتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ علماء، خطباء قرآء کرام کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ (بقیہ صفحہ ۳۸ پر)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

آہ..! مولانا عبدالقادر ندوی رحمہ اللہ

تحریر: حکیم رانا مدر محمد خان فیصل آباد

مولانا عبدالقادر ندوی رحمہ اللہ ۱۹۲۷ء کو چک نمبر ۴۹۳ گ۔ ب اوڈانوالا حسین پور تحصیل سمندری.... اب تاندلیاں والا.... ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حاجی قادر بخش امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کے عقیدت مند اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے بانی رکن تھے۔ مولانا ندوی نے رسمی تعلیم چک نمبر ۷۵ گ۔ ب کے سرکاری سکول میں لوئر مل تک پائی۔ اس سکول کے اساتذہ حضرت مولانا صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ سے ترجمہ قرآن پڑھا کرتے تھے اس کے بعد انہیں مدرسہ میں داخل کر دیا گیا۔ یہاں انہوں نے اس زمانے میں رائج نصاب بڑی محنت سے پڑھا۔ ذہین بھی بہت تھے اور حصول علم کے لیے فارغ تھے ان کے یہاں کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالرحمن لکھوی رحمہ اللہ، مولانا محمد اسحاق حسینوی رحمہ اللہ، مولانا محمد داؤد راغب رحمانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد عبداللہ الفلاح رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان کے ساتھ فارغ التحصیل ہونے والوں میں شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب ملہوی کا نام آتا ہے۔ دونوں بزرگوں نے اپنے اپنے دائرہ عمل میں بلند مقام پایا۔ تقبل اللہ منہما۔

اس کے بعد حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے انہوں نے لکھنؤ کا رخ کیا وہاں انہیں امتحان کے بعد آخری سال میں داخل مل گیا اور یہاں آپ نے سید حلیم عطاء شاہ سے تفسیر کشاف اور صحیحین، مولانا عمران خان الازہری سے الاتقان فی علوم القرآن، مولانا محمد ناظم اور مولانا سید ابوالحسن ندوی سے حجتہ اللہ البالغہ اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی سے سیاسیات و معاشیات میں استفادہ کیا۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

۱۹۴۶ء میں مولانا ندوۃ العلماء سے فارغ ہو کر آگئے اور پنجاب یونیورسٹی سے عربی (مولوی فاضل) کا امتحان پاس کیا وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدرسہ تعلیم الاسلام سے سند فراغت حاصل



کرنے کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے کسی جامعہ کا رخ کیا اور میری معلومات کے مطابق وہ علماء کے اس گاہوں اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے فضلاء و فیض یافتگان میں پہلے اور آخری ندوی تھے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے اپنی مادر علمی میں تدریس شروع کی۔ ایک سال تدریس کے بعد مدرسے کے انتظامی معاملات میں مصروف ہو گئے اور تادم واپس یہ فریضہ انجام دیا۔ ان کے ایک سالہ دور تدریس میں جن لوگوں کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ان میں سے حکیم عبدالحی ناصر اور شیخ الحدیث مولانا عبدالستار حنیف کو میں جانتا ہوں۔ مؤخر الذکر نے بہاول پور کے مختلف مدارس میں پچاس برس تک مسند تدریس کو رونق بخشی آج کل صاحب فراش ہیں۔ حکیم عبدالحی صاحب نے بھی نہایت متحرک زندگی گزاری۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ مولانا ندوی کی ذات پر بے حد اعتماد کرتے تھے جب وہ ندوہ میں زیر تعلیم تھے انہوں نے مدرسہ تعلیم الاسلام کی مجلس منتظمہ انجمن اہل حدیث ضلع لائل پور کے نام سے رجسٹرڈ کرائی۔ مولانا ندوی کی غیر موجودگی میں انہیں اس کا رکن بنایا گیا وہ صوفی صاحب کے اعتماد پر پورے اترے کبھی شکایت کا موقع پیدا نہ ہونے دیا اور نہ ہی انہوں نے اپنے مربی کو ٹھیس پہنچائی۔

مدرسہ کو گاہوں سے ماموں کا نجن منتقل کرنے کے محرک بھی مولانا ندوی رحمہ اللہ تھے۔ اپنی تگ و دو سے ۱۹۶۱ء ماموں کا نجن میں میں چونتیس کنال رقبہ خریدا گیا پھر یہاں مدرسے کی عمارت بنائی گئی۔ ۱۹۶۳ء میں اس پر شکوہ عمارت میں جزوی طور پر تدریس کا آغاز بھی ہو گیا۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ وہ مالی طور سے آسودہ حال تھے اس عمارت کی تعمیر کے لیے انہوں نے یکمشت دولاکھ اینٹ فراہم کی اور بعد میں بھی مسلسل تعاون کرتے رہے۔ یعنی وہ جامعہ کے بے لوث خادم ہی نہیں بلکہ ایک مخلص معاون بھی تھے۔ صوفی صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں وہ مدرسہ کے کامیاب ناظم کی حیثیت سے ابھرے ان کی وفات کے بعد انجمن نے انہیں صوفی صاحب رحمہ اللہ کا جانشین قرار دے کر ساری ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی۔ بلکہ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ جب اپنی وفات سے قبل حج پر روانہ ہوئے تھے مولانا قائم مقام بنا گئے تھے۔



جامعہ تعلیم الاسلام کی لائبریری اہل علم و تحقیق کا مرجع ہے اس کے مدیر کے مطابق کتب و رسائل کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ کم از کم ضلع فیصل آباد کی سرکاری و نجی لائبریریوں میں سب سے بڑی ہے۔ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کتابیں جمع کرنی شروع کیں ملک و بیرون ملک سے سال میں ایک بار بلکہ بعض مرتبہ دو دو تین تین بار کتب لائبریری کے لیے آتی تھیں خریدی بھی جاتی تھی اور عطیات بھی۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے انہیں کتابیں جمع کرنے کا شوق ہی نہیں بلکہ قدرت نے ان میں مطالعہ و تجربہ کا بھی گہرا ذوق ودیعت کیا تھا۔ وہ خود بھی مطالعہ کے عادی تھے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ لائبریری سے استفادہ کرنے والے اہل علم سے نہایت حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان کے قیام و طعام سے باخبر رہتے تھے۔ کسی قسم کی تکلیف کے ازالے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے مطلوبہ کتب بھی نکال کر دیتے تھے۔ وہ جامعہ کے لیے فراہمی زر کے ساتھ فراہمی کتب کے لیے بھی بے تاب رہتے تھے۔ ان کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ بے شمار کتب کی تجلید انہوں نے اپنے ہاتھ سے کی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کے دو موضوع ہیں۔ کتاب اور پھول۔ لائبریری کی طرح انہوں نے جامعہ کے علاقے کو رنگ برنگے پھولوں، پودوں اور درختوں سے مزین کیا تھا وہ جس قدر کتب کا خیال رکھتے پھولوں اور پودوں کی بھی خبر گیر کرتے تھے۔ ہم نے بارہا انہیں گوڈی کرتے دیکھا۔

صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ اس دارالعلوم نے کیا خدمات انجام دیں اس سے ہر ذی علم واقف ہے یہ ایک طویل قصہ ہے جس کے لیے یقیناً ہزاروں صفحات کی ضرورت ہے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کا ایک پہلو جوان کو اپنے اقران سے ممتاز کرتا ہے وہ جذبہ خدمت خلق اور امور رفاه عامہ کی انجام دہی ہے۔ ان کی جدوجہد سے ان کے گاؤں کو ”مثالی گاؤں“ کا ٹیٹفیکٹ ملا اور فیصل آباد و ویژن کے کشمیر کی طرف سے ایک خطیر رقم کا انعام بھی ملا۔ اسی طرح اپنے گاؤں سے ماموں کا بنج اور مرید والا کی سڑکوں کو پختہ کرانے میں بھی اہم کردار ادا کیا اور اہل علاقہ سے ڈھیروں دعائیں لیں۔ گاؤں کی صفائی میں وہ عملاً حصہ لیتے تھے۔

انہوں نے ۱۹۴۷ء سے اپنی وفات تک جامعہ تعلیم الاسلام کی خدمت کی۔ قمری سنین کے اعتبار سے



انہوں نے سرٹسٹھ برس تک، پہلے مدرس، پھر ناظم اور اس کے بعد صدر کی حیثیت سے طویل عرصہ گزارا۔ تاریخ کے طلاب کو ان کی اس طویل جدوجہد کو رقم کرنے کے لیے بھی طویل عرصہ درکار ہے۔ ہاں! ان کی خدمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ جامعہ تعلیم الاسلام میں ایک عرصے تک سالانہ تین روزہ آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس آپ کی نگرانی میں منعقد ہوتی رہی اس کے نہایت مثبت اثرات مرتب ہوئے یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سے ایک واقع علمی ماہنامہ ”مجلہ تعلیم الاسلام“ آپ کی نگرانی میں دس گیارہ سال تک علم و تحقیق کے دریچے واکر تارہا۔ علمی اعتبار سے یہ بھی قدر آور مجلہ تھا اور بعض نایاب اور اہم کتب بھی شائع کیں تفصیل کا یہ محل نہیں۔ ماموں کا نجن میں تاریخی جامع مسجد صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ بھی آپ کی مساعی سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔

چک نمبر ۲۸۳ گ۔ ب کی جامع مسجد محمدی اہل حدیث میں جامعہ تعلیم الاسلام کے زیر انتظام مولانا بشیر احمد مبعوث ہوئے۔ مولانا ندوی رحمہ اللہ نے انہیں تحریری طور پر لکھا بھیجا تھا کہ مجاہدین کے ساتھ ہر طرح تعاون کیا جائے یہ اچھے لوگ ہیں یہ تحریر آج بھی محفوظ ہے۔ اس سے ان کی جہاد اور مجاہدین سے محبت عیاں ہوتی ہے ان کا ایک نواسہ بھی جہاد کشمیر میں شہادت سے سرفراز ہو چکا ہے بلکہ پورا خاندان ہی مجاہدین سے محبت کرتا ہے۔

مولانا مرحوم دانش و راور مفکر قسم کے انسان تھے وہ دینی مدارس کی اصلاح اور تجدید نصاب و نظام کے حوالے سے متفکر رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل ”الاعتصام“ میں ایک مضمون بھی لکھا تھا یہ ان کا اکلوتا مضمون ہے۔ پہلا اور آخری گا ہے بگا ہے وہ اپنی یادداشتوں کو زینت قرطاس بناتے رہتے تھے وہ خوش نویس تھے اور پختہ تحریر کے مالک اگر ان کی یادداشتوں کو مرتب کر کے شائع کر دیا جائے تو ان کی زندگی کے کئی خفی گوشے اور ان کی فکر و نظر کے متعدد نئے پہلو سامنے آئیں گے جو ان کی شخصیت کو سمجھنے میں بہت مدد دیں گے۔ مولانا مرحوم مجھ سے بے حد شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ انہوں نے صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کے حالات پر مشتمل مرشدی مولانا محمد اسحاق بھٹی کی کتاب مجھے تحفہ عنایت فرمائی اور لکھا (چار سطروں میں) ”پیارے بیٹے مڈر محمد بن محمد کیلئے تحفہ۔“ (کثر اللہ فینا امثالہ) (عبدالقادار الندوی 2007/3/31) صرف میں ہی نہیں، کوئی ملاقاتی ان کی کمال مہربانی

سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

2007ء میں ایک حادثے میں ہمارے دوست مولانا بشارت صاحب (ہیڈ ماسٹر) کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری حفیظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی انکی مزاج پر سی کیلئے ان کے گاؤں 435 گ ب گئے۔ واپسی پر 479 گ ب کے حکیم ثناء اللہ صاحب سے ملاقات مقصود تھی۔ مجھے بھی مطلع کیا گیا کہ حکیم صاحب کے پاس پہنچوں۔ ان کی بیٹھک میں

مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ، قاری صاحب مولانا خلیل اثری اور محمد حنیف تھانیدار کے ساتھ ناشتہ کیا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ ایک موڑ پر گفتگو کا موضوع مولانا حافظ محمد بن عیسیٰ بکنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر پڑھا۔ وہ شیخ الکل فی الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے اور ربع صدی تک اس گاؤں میں ان کا ہنگامہ درس جاری رہا تھا۔

1925ء میں وہ فوت ہوئے۔ وہ اپنے اس عہد کے برصغیر کے مشہور علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر کی ساتویں جلد میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ چودھری محمد حنیف صاحب نے انکشاف کیا کہ مولانا بکنوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کس نے لکھی، مطبوع تھی۔ اس کا ایک نسخہ انکے بیٹے عمر فاروق کے پاس کہیں سے آیا اور انہوں نے اسے محفوظ کر لیا اور وہ بلجیم میں مقیم ہیں۔ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پرزور الفاظ میں فرمایا کہ وہ کتاب یا اسکی فوٹو کاپی ہمیں فراہم کی جائے۔ اس کا ذکر میں نے مرشدی مولانا محمد اسحاق بھٹی سے بھی کیا۔ انہوں نے بھی تاکید فرمائی کہ کتاب ان کے جناب میں پیش کی جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کتاب ابھی تک نہیں ملی۔ اس مجلس میں موجود لوگوں کو مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء کو جامعہ تعلیم الاسلام میں داخل کرانے کی مہم چلانے کا حکم دیا۔ یاد رہے کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کے اولین متحن مولانا احمد حسین رحمۃ اللہ علیہ اسی گاؤں 479 گ ب سے تعلق سکونت رکھتے تھے اور مولانا حافظ بکنوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ مکرم۔

479 گ ب واپسی پر مولانا مرحوم نے میرے والد محترم مولانا محمد بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ یونیورسٹی سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ وہ ہمارے گھر تشریف لائے۔ والد صاحب سے ملے اور ان کا ذخیرہ کتب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ کافی دیر تک کتابیں دیکھتے رہے۔ مرزا میرت دہلوی کی حیات



طیبہ کا ایک قدیم نسخہ انہوں نے عاریۃً لیا اور بتایا کہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ قدیم و جدید طباعتوں میں مندرجات کا فرق پایا جاتا ہے۔ وہ تقابل کرنا چاہتے تھے۔ اس سے ان کی کتاب شناسی، کتاب دوستی، وسعت مطالعہ اور معلومات کی فراوانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دن مجھے جامعہ تعلیم الاسلام کی لائبریری میں لے گئے، وہاں سے انہوں نے ایک چھوٹی سی جلد کتاب نکالی اور میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جلد کر کے اپنے علاقے کے ایک عالم دین کی تحریک و یادگار کے طور پر محفوظ کیا۔ یہ مولانا حافظ محمد بن عیسیٰ بکنوی کی تصنیف ’حماية السنيہ على صاحبها الصلوة التحية‘ تھی۔ 1309ھ میں لکھی گئی تھی اور مطبع صدیقی لاہور میں چھپی تھی۔ مولانا ندوی رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ اس کتاب کی پرانی اردو کو جدید اسلوب میں ڈھال دوں اور تخریج کر دوں۔ انکے حسبِ حکم میں میں نے یہ کام مکمل کر کے ان کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا۔ اس کا موضوع تعداد رکعات تراویح ہے۔ میں نے اس موضوع کی متعدد کتابیں دیکھی ہیں لیکن اس رسالے کا مقام مجھے ان سب سے بلند اور معیار پر ایک سے فائق نظر آیا۔

14 اگست 2008ء کو مولانا میرے مطب میں تشریف لائے۔ ان کے خاندان کے بعض افراد بھی ساتھ تھے۔ ان سے میرا اور میرے آباء و اجداد کا تعارف کرایا بالخصوص میرے دادا مولانا حکیم محمد یعقوب خاں نباض رحمہ اللہ سے بہت مشا تر تھے۔ ان کی فارسی دانی کا اکثر مجالس میں تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ یہ انکی مہربانی کا کمال تھا کہ وہ فیصل آباد سے سیدھے میرے پاس تشریف لائے۔ قریب کے بعض جماعتی کاروباری لوگوں کو ان سے ملوایا۔ انہوں نے انہیں نصیحت فرمائی کہ اخلاص اور دیانتداری سے کام کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ رزق میں بے حد اضافہ دیتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! انکو کروڑوں عطا فرما۔ ہم نے پورے اخلاص اور دیانتداری سے کاروبار کیا تو اللہ تعالیٰ نے کروڑوں عطا کئے ہیں۔

ان دنوں ’بیاض محمدی مع علاج الامراض‘ تالیف سے فارغ ہوا ہی تھا۔ اسکا مسودہ سامنے میز پر پڑا تھا۔ میں نے انہیں دکھایا۔ انہوں نے بڑی غور سے اسے دیکھا اور بہت خوش ہوئے، عادی اور مجھے نصیحت فرمائی کہ قلم و قراطس سے رابطہ ترک نہ کروں۔



وہ سادہ لباس پہنتے، سادہ خوراک کھاتے، تصنع، تکبر اور خود نمائی نام کی کوئی چیز ان کے قریب سے بھی نہ گزری تھی۔ وہ اہل تحقیق کے قدردان، متعدد اسلامی تحریکوں کے قائدین کے خیر خواہ تھے۔ وہ اپنے عہد کے علماء میں سے مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا معین الدین لکھوی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عبدالستار دہلوی وغیرہ علماء کی علمیت، فہم و فراست، ذکا و زہانت، تدبیر، سیاست اور تدریس و خطابت سے بہت متاثر تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی وفات سے اسلام اور اہل اسلام میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ 8 مارچ 2011 کو وہ فوت ہوئے اور 9 مارچ صبح ۹:۱۲ بجے انکی نماز جنازہ استاذی شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالسلام بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ وہ آخر ایک انسان تھے، اس حیثیت سے یقیناً ان سے لغزشیں بھی ہوئی ہوں گی تو آئیے اپنے محبوب کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے ہاتھ اٹھائیے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ آمین ثم آمین
نوٹ: میں نے کتاب (غیر مطبوعہ) ”صوفی محمد عبداللہ، ملک محمد سلطان سے امیر المجاہدین تک“ کا انتساب مولانا عبدالقادر ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کیا ہے۔

تعریف میں غلو

قاری احسان اللہ اولکھ (صدر مدرس شعبہ تحفیظ القرآن)

رسول اللہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیا میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔ صحیح



اَزْ اَلْاِسْلَامِ

خواتین کا روز

تحریر:
ابو عبد الرحمن
حاصل پوری

خواتین

پر اسلام کی مقربانیاں



قبل از اسلام تمام غیر اسلامی تہذیبوں نے عورت کو شیطانی روپ اور اک کھلونا بنا رکھا تھا۔ حقیقی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا، باپ کی وفات کے بعد ماں کا بڑے بیٹے کے تصرف میں لانا، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، ایام مخصوص میں اس سے نفرت کرنا، شوہر کی وفات کا سبب اسے سمجھ کر سال بھر اسے تنگ، بند اور تنگ کوٹھڑی میں رہنے پر مجبور کرنا اور وراثت سے محروم رکھنا۔ الغرض مجموعی حیثیت سے عورت بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر و ستم کا تختہ مشق تھی لیکن اسلام نے ہر طرح کے حقوق محفوظ کر کے جو عزت دی اس کا تصور بھی مشکل ہے بلکہ اسلام نے اسے صنف نازک تصور کرتے ہوئے اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم دی۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں متعارف کروا کر الگ الگ کے حقوق مقرر کیے۔ گویا جسے گھر کی نوکرانی اور نحوست خیال کیا جاتا تھا اسے اسلام نے گھر کی مالکن اور شہزادی بنا کر جنت اس کے قدموں میں رکھ دی۔

عصر حاضر میں کتنی ہی این جی اوز مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو فروغ دینے کے لیے حقوق نسواں کے نام پر عورت اور مرد کے نظام حیات میں انہیں مساوی قرار دے کر اس کی عزت کے شیرازے کو بکھیرنے میں لگی ہوئی ہیں گویا عورت کو جو اسلام نے عزت و عفت دی ہے اس سے چھین کر پھر اسے اس جہالت کی گہرائیوں میں پھینکنا چاہتے ہیں جس سے اسلام نے انہیں نکال دیا تھا۔

اسلام نے خواتین پر دینی اور دنیاوی تمام معاملات میں اس قدر مہربانیاں اور آسانیاں کیں کہ شب و روز کے تمام معاملات میں کسی جگہ بھی اسے تنگی اور مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن افسوس کہ یہی بے پردگی یہ نازاں، عریانی و فحاشی کی دلداد، نیم عریاں مناظر کی دلدل میں پھنستی جا رہی ہے اور اسلام



سے دور جاہلیت کی تاریکی میں گرفتہ پا ہونے پر فریفتہ ہو رہی ہے.... ہمارا مسلم خواتین کو بتانا مقصود ہے کہ اسلام نے تم پر کس قدر مہربانیاں کیں ہیں اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

دختر کشی کی رسم بد

دور جاہلیت میں لڑکی کا وجود عار تصور کیا جاتا تھا اور اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ، يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾

”اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، جو بری خبر اسے دی گئی ہے اسکی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اسکو ذلت و رسوائی کے باوجود اپنے پاس رکھے، یا اسے زندہ درگور کر دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔“ [النحل: ۵۸، ۵۹]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی حالت کو بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے کسی کو جب اسکے گھر میں بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا اور مارے شرم کے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا، اور غم میں نڈھال ہو کر سوچتا رہتا کہ اب اس لڑکی کے وجود کو ذلت و رسوائی کیساتھ برداشت کر لے یا زندہ درگور کر دے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”عرب میں یہ رواج عام تھا کہ جب کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی اور وہ اسے زندہ باقی رکھنا چاہتا تو اسے اوننی جبہ پہنا کر اونٹوں اور بکریوں کو چرانے کیلئے دور دراز بھیج دیتا، اور اگر اسے مارنا چاہتا تو وہ جب چھ سال کی ہو جاتی تو کسی جنگل میں ایک گڑھا کھودتا، پھر گھر آ کر اپنی بیوی سے کہتا کہ اسے خوب اچھا لباس پہنا دو تا کہ وہ اسے اس کے ننھیال (یا اسکے دادا دادی) سے ملا لائے۔ پھر جب اس گڑھے تک پہنچتا تو اسے کہتا: اس گڑھے کے اندر



دیکھو، چنانچہ وہ اسے دیکھنے کیلئے جھکتی تو یہ اسے پیچھے سے دھکا دے دیتا وہ اس میں گر جاتی اور

یہ اس کے اوپر مٹی ڈال دیتا۔“ [معالم التنزیل: (۲۵/۵)]

یہ تو تھا زمانہ جاہلیت میں کسی عورت کا مقام کہ اس کا وجود ہی عار تصور کیا جاتا اور اسے زندہ درگور کر دیا جاتا۔ جبکہ اسلام نے گھر میں بیٹی کی پیدائش کو باعث برکت قرار دیا اور اسے زندہ درگور کرنا حرام کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ))

”اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے۔“

البخاری، الاستقراض، باب ما ينهى عن اضاعه المال (۲۴۰۸) والمسلم، الأفضية، باب النهی عن كثرة المسائل (۱۷۱۵)

اور آپ ﷺ نے بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ بُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَاحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

”جس شخص کو ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی طرح آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر وہ ان سے

اچھائی کرتا ہے، تو یہ اس کیلئے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔“

البخاری، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله (۵۹۹۵) والمسلم، البر والصلة، باب فضل الاحسان الى البنات (۲۶۲۹)

اس حدیث میں ’اچھائی‘ سے مراد ہر قسم کی اچھائی ہے۔ یعنی اسکی پرورش اچھی طرح سے کرے، اس سے اچھا سلوک کرے اور اسکی تعلیم و تربیت کا اہتمام اچھے انداز سے کرے۔ پھر جب وہ جوان ہو جائے تو اسکی شادی کیلئے ایک اچھے اور پابند اسلام خاوند کا انتخاب کرے۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَصَمَّ أَصَابِعُهُ))

”جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں، تو وہ اور میں قیامت

کے دن ایسے ہونگے جیسے میری یہ دو نگلیاں ہیں۔“ مسلم (۲۶۳۱)



سنن ترمذی وغیرہ میں اس روایت کے الفاظ یوں ہیں:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأَصْبَعَيْهِ))

”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، وہ اور میں جنت میں ایسے داخل ہونگے جیسے میری یہ

دو انگلیاں ہیں۔“

الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی النفقة علی البنات (۱۹۱۴) والصحيحة (۲۹۷) و صحيح الترمذی للألبانی (۱۷۹/۲)

عورت کو ماں کا درجہ

عورت اگر ماں ہو تو اسلام نے اس کی ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد سب سے پہلے ماں باپ کا حق بیان کیا ہے پھر دوسروں کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے، اور بار بار ان سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے اور انھیں جھڑکنے حتیٰ کہ اف تک کہنے سے منع فرمایا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کے سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

((قَالَ ((أُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ))

، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ))

”آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے

پھر پوچھا، پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ۔“

صحیح بخاری، الادب، باب من احق الناس..... الخ (۵۹۷۱) و مسلم (۲۵۴۸)

والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا انعام

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں جنت دیکھی وہاں میں نے قرآن پڑھنے کی آواز سنی، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حارثہ بن نعمان ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَذَّالِكَ وَالْبِرُّ كَذَّالِكَ وَالْبِرُّ وَكَانَ أَبَرُّ النَّاسِ بِأُمَّهِ))

”نیکی کا یہی بدلہ ہے، نیکی کا یہی بدلہ ہے، یہ اپنی ماں کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ اچھا سلوک کرتا تھا۔“

مسند احمد (۱۵۱/۶) (۲۵۳۷۶) و صحیح ابن حبان (۴۷۹/۱۵) و سلسلۃ الصحیحۃ (۹۱۳) اسکے علاوہ اور کئی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں خصوصاً ماں کا حق نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔

زمانہ جاہلیت کی عورت وراثت سے محروم تھی

زمانہ جاہلیت میں لوگ صرف مردوں کو وراثت کا حقدار سمجھتے تھے اور عورتوں اور بچوں کو اس سے محروم رکھا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ وراثت کا حقدار صرف وہی ہے جو تلوار چلا سکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء: ۷]

”والدین اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہوتا ہے اور والدین اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہوتا ہے، چاہے مال تھوڑا یا زیادہ، اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔“

تو اسلام نے عورت کو بھی وراثت کا حقدار قرار دیا اور اسے اس سے محروم نہیں کیا، اور ترکہ میں عورت کو کتنا حصہ دیا گیا ہے اسکی تفصیل سورۃ النساء کے دوسرے رکوع میں موجود ہے۔

باپ کی بیوی کو اسکی موت کے بعد حلال سمجھا جاتا تھا

زمانہ جاہلیت میں ایک بیٹا اپنے باپ کی وفات کے بعد اسکی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) سے نکاح کر لیتا تھا۔ جبکہ اسلام نے اسے حرام کر دیا اور اسے بدکاری، غضب کا موجب اور بدترین شیوہ قرار دیا۔



فرمان الہی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَهَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا
وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [النساء: ۲۲]

”اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، مگر جو گزر چکا
ہے۔ یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب اور بڑی بری راہ ہے۔“
تو یہ بھی اسلام میں عورت کی تکریم کی ایک واضح دلیل ہے۔

دو بہنوں سے بیک وقت نکاح

زمانہ جاہلیت میں دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا درست تھا جبکہ اسلام نے اسے حرام قرار دے
دیا۔ فرمان الہی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ.....وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾

”تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں..... اور دو بہنوں کو (ایک شخص کے نکاح میں) جمع
کرنا بھی حرام ہے، الا یہ کہ جو (عہد جاہلیت میں) گزر چکا۔“ [النساء: ۲۳]

اسلام نے بہترین نکاح کی طرف راہنمائی کی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

”زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کے ہوتے تھے ایک صورت تو یہی تھی جسے آج کل لوگ کرتے ہیں
ایک شخص دوسرے کے پاس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا حق مہر
دے کر اس سے نکاح کرتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی
تو کہتا تم فلاں شخص کے پاس چلی جاؤ اور اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود
اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی کی شرمگاہ
حاصل کی تھی (یعنی زنا کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر
چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو اس نکاح کو

نکاح استبضاع کہا جاتا تھا (اور اسی کو ہندوستان میں یوگ کہتے ہیں) نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت جمع ہوتی سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں اور اب میرے لطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں! وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے اور اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جوان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے، قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا پھر یہ اسی سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا صرف اس نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔“

بخاری، النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی

ایام حیض میں عورت کو الگ تھلگ کر دیا جاتا

زمانہ جاہلیت میں عورت کے مخصوص ایام شروع ہوتے تو اسے بالکل الگ تھلگ کر دیا جاتا۔ اس کا خاوند نہ اس کے ساتھ کھاتا اور نہ اسے اپنے بستر پر آنے دیتا۔ جبکہ اسلام نے عورت کیساتھ اس ناروا سلوک کو ناجائز قرار دیا۔

رسول اکرم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مخصوص ایام میں ان کیساتھ کھاتے پیتے، ان سے خدمت لیتے اور ان کے ساتھ آرام فرماتے۔ صرف ایک چیز جسے اسلام نے ان ایام میں حرام قرار دیا وہ ہے بیوی سے صحبت، اسکے علاوہ باقی تمام معاملات کو جائز قرار دیا گیا۔



حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے (جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں) تہ بند سے اوپر مباشرت کرتے تھے۔“ [مسلم: ۲۹۴]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ:

”میں حیض کی حالت میں ایک برتن سے پانی پیتی پھر وہی (بچا ہوا) پانی میں آپ ﷺ کو دیتی تو آپ ﷺ بھی برتن کی اسی جگہ پر منہ رکھ کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا، اور حیض ہی کی حالت میں کھانے کے دوران میں اپنے دانتوں کیساتھ ایک ہڈی سے کچھ گوشت توڑتی پھر وہی ہڈی آپ ﷺ کو پیش کرتی تو آپ ﷺ بھی اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت توڑتے جہاں سے میں نے توڑا ہوتا۔“ [مسلم: ۳۰۰]

اور انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”یہودیوں میں جب کوئی عورت مخصوص ایام میں ہوتی تو وہ اپنے گھروں میں نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ ہی مجامعت کرتے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ.....﴾

”اور وہ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، تو آپ ﷺ انہیں بتا دیجئے کہ وہ گندگی ہے لہذا حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب

نہ جاؤ۔“ [البقرہ: ۲۲۲]

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم سب کچھ کر سکتے ہو سوائے ہم بستر کے۔“ [مسلم: ۳۰۲]

[جاری ہے.....]



میرے مرشد و معلم



تحریر: بریرہ کھوکھر ناظمہ جامعہ تعلیم القرآن والحديث للبنات گوجرانوالہ

اے اک گل کے مرجھا جانے سے گلشن میں کیا کھرام مچا
اک چہرہ کھلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے

اس دار فانی کی زندگانی میں کچھ انسان فی الواقع ہی ایسے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ آئندہ نسلوں کی رہبری کا سامان مہیا ہو جاتا ہے اور پھر اسی قبیل کے لوگ ہی لازوال داستانیں رقم کرتے ہوئے ابد آباد کی طرف روانہ ہونے کے باوجود زندہ رہتے ہیں لوگ انہیں زندہ رکھتے ہیں۔ وہ جانے کے بعد رہ کے زندگی کے ہر موڑ پر یاد رہتے ہیں اور پھر لوگ انکو یاد رکھتے ہیں۔ ایسے پاکباز بے مثال لوگوں کو، انکے کارناموں کو، کرداروں کو، انکی حسنت کے پہاڑوں کو بھول جانے والے لوگ دنیا میں اپنے آپ کو بھی تو بھول ہی جاتے ہیں۔

میں جس عظیم ہی نہیں بلکہ عظیم ترین ہستی کے تذکرے میں نوکِ قلم کو چہرہ قرطاس پر چلاتے ہوئے بھی اپنے آپ کو خوش بخت بانصیب و بامراد لوگوں کی لائن میں کھڑا دیکھتی ہوں کہ (حضرت مولانا) اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں آج تو کمتر بھی اعظم ہو گئی۔ اک تارِ نخ ساز شخصیت جسے دنیا محترمہ باجی ثریا صاحبہ کے نام سے یاد کرتی ہے وہ! اور دوسرا یہ میرے استاذی المکرم رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کی بدولت میں اک کالجیٹ آج ایک عظیم دینی ادارے کی چاکری پر فخر محسوس کرتی ہوں۔ یہ میرے حضرت الاستاذ المحترم رحمۃ اللہ علیہ کی محنت و کوشش اور دعاؤں کا ثمر ہے کہ اس اک ناتواں خاتون سے اللہ دین اسلام کی اشاعت کا کچھ کام لے رہا ہے اللہ قبول فرمائیں آمین۔

میرے استاد محترم انتہائی پاکباز، درد دل رکھنے والے، صلح جو نرم خور رکھنے والے عظیم المرتبت انسان تھے۔ میں کبھی کہتی استاد جی اس فلاں بچی کا داخلہ نہیں بھیجنا یا اسکو امتحان میں نہیں بیٹھانا تو کمال درجہ شفقت سے فرماتے بریرہ بیٹا کوئی بات نہیں کچھ پڑھ لے گی، امتحان دے گی سند مل جائے گی، فائدہ



ہو جائیگا ٹھیک ہو جائے گی۔

قارئین کرام میری بہنوں اور بھائیوں جب باپ اتنی حد درجہ شفقت سے کچھ کہتا ہے تو بیٹی پھر مان ہی جایا کرتی ہے۔ مولانا کی صرف اولاد ہی یتیم نہیں ہوئی بلکہ ادارے میں مقیم سینکڑوں بچیاں یتیمی کے تھیٹرے کھا رہی ہیں۔ میری والدہ محترمہ جو ادارے کی سربراہ ہیں انہیں وفات سے ایک دن پہلے کسی بات پر فرمایا آپ میری بہن ہو میرا خیال رکھتی ہو اللہ آپ کو خوش رکھے۔ یہ کیسا بھائی تھا جو جاتے ہوئے دو بول دعا کے بہن کی جھولی میں ڈال گیا کہ یہ دینی روحانی اسلامی بہن ساری عمر روتے روتے بھائی کو دعائیں ہی دیتی رہے۔

بخاری کلاس کی میری بچیاں تو اب بھی صبر نہیں کر پا رہی ہیں۔ ایسا احساس مند استاد کہاں سے تلاش کریں گی۔ جس دن وفات پائی اڑھائی گھنٹہ قبل طالبات کو پڑھانے کے دوران کچھ کھا رہے تھے بچیوں نے محسوس کیا تو کہا استاد جی اکیلے ہی کھا رہے ہیں ہمیں پوچھا ہی نہیں فوراً اپنی جیب سے منگوا کر دیا اور فرمانے لگے لو بیٹا کھا لو۔

میرا بھائی عمیر کھوکھر ادارے کے انتظام و انصرام میں نوار تھا بڑی شفقت سے راہنمائی فرماتے پیار سے فرماتے یہ صاحبزادہ صاحب ہیں۔ میرے میاں صاحب چھ ماہ قبل باہر سے تشریف لائے استاد جی سے سٹنگ ہوئی مختلف کتابوں اور مسائل کے بارے گفتگو ہوئی تو شوکت صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا بہت قابل اور بڑے بااخلاق ہیں میری تو خوش قسمتی ہے اس عظیم عالم دین نے میرا نکاح پڑھایا ہے۔ زخم تازہ ہو تو خون رستا ہے تکلیف زیادہ ہوتی ہے میں مزید لکھنے سے عاجز ہوں رب کے حضور دعا گو ہوں کہ میرا مالک میرے استاد محسن و مربی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

اللھم اغفر لھ وارحمھ



اک گل کہ مر جھا جانے سے گلشن میں کیا کہرام مچا
اک چہرہ کلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے

[خنساء طاہر]



طالبات جامعہ تعلیم القرآن والحديث للبنات

کا اپنے استاذ محترم مولانا محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین

ہو گئے محروم ہم اس گوہر نایاب سے
ہو گیا خالی شبتان آہ اس مہتاب سے
سسکیاں سی اٹھ رہی ہیں منبر و محراب سے
جیسے مجبوراً پھٹ جائے کوئی احباب سے
جس طرح کوئی پرندہ چھوڑ جائے آشیاں
اور ہو جائے نئے گھر کو اچانک پر نشاں

[نورین ظہور، عاصمہ سرور، نائلہ نواز]



وہ قاتل تھا صرف اسلام ہی کی بادشاہت کا
دیا اس نے ہم کو بھی درس احکام الہی کا
نظر ڈالی نہ تھی اس نے کبھی اسباب زینت پر
خدا رحمت کرے اس پاک باطن نیک طینت پر

[فرح اسلم، نبیلہ کوثر]



جن کی رفاقتوں کو نہ بھولے گا دل کبھی
تہا ہمیں وہ چھوڑ کر نہ جانے کدھر گئے

[ملیحہ اقبال، ارم نور، مریم خالد]



سفر کو نکلے تھے ہم جس کی رہنمائی پر
وہ اک ستارہ کسی اور آسمان کا تھا

[ارم عبدالکریم، عاتکہ عبدالرحمن، صبیحہ عبدالرحمن]



بیٹیاں! باعثِ رحمت ہیں

حاجہ عثمان جاوید

جامعہ ریاض العالمین للبنات چنداقلعہ گوجرانوالہ

ہر ذی وقار روح کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ زندگی ہے اور جس کو اللہ رب العزت انسان جیسی عظیم و خوبصورت نعمت سے نوازتا ہے وہ خوش قسمت ترین انسان ہے۔ مگر ہمارے معاشرے میں عجیب و غریب طرز حیات ہے کہ اللہ اعلم الحامین کی نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے ہم اپنے بنائے ہوئے افکار و خیالات کے مطابق اظہار کرنے اور اپنے ہی اقوال کو مسلم سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو اہمیت نہ دے کر کفرانِ نعمت بھی کرتے ہیں اور گنہگار بھی کہلاتے ہیں۔ (جیسا کہ بیٹی کی پیدائش) اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾
 ”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر ملتی ہے۔ تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے، اور وہ لوگوں سے چھپ کر پھرتا ہے، اور وہ یہ سوچتا ہے کہ اسے ذلت کیساتھ رکھوں یا اس کو زندہ درگور کر دوں، برا ہے وہ جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔“ [النحل: ۵۹]

یہ صورت احوال نبی مکرم رحمت کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے تھی۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر جو مقام اور مرتبہ حاصل ہوا اس کے کیا کہنے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کہ عورت (لڑکی) کی پیدائش پر ایک بکری ذبح کرو، اور صدقہ کرو، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (بلکہ ادا کیا جائے)

نبی مکرم جناب محمد ﷺ نے عورت کا ذکر خوشبو اور ناز سے کیا ہے۔ آپ ﷺ نے آخری عورت کیساتھ بھلائی کی فرمائی ہے۔ اس لئے ہم کو بیٹی کی پیدائش پر بھی خوشی کرنا چاہیے جس طرح ہم بیٹی کی پیدائش



پر کرتے ہیں۔ بیٹی ہو یا بیٹا یہ دونوں ہی رب العالمین کی بڑی نعمت و رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے۔ بیٹی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانا اور دل شکستہ ہونا اطاعت شعار مومن کو زیب نہیں دیتا۔ یہ ناشکری اور ناقدری میں شامل ہے۔ لڑکیوں کی تربیت و پرورش انتہائی خوش طبعی دل جمعی خوش اخلاقی اور دینی امور پر کیجئے اور اس کے ملنے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بہشت برین کی آرزو کی جائے۔

امی جان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کائنات ارشاد فرماتی ہیں:

”کہ ایک دن ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لے کر میرے پاس آئی اور اس نے کچھ مانگا (کھانے کیلئے) میرے پاس صرف ایک ہی کھجور تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پر رکھ دی اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور آدھی آدھی دونوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ میں نے یہ سارا ماجرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا۔“ تو آپ نے سن کر فرمایا: ”جو شخص بھی لڑکیوں کے بارے میں آزمایا جاتا ہے وہ اچھا سلوک کر کے آزمائش میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو یہ لڑکیاں اس کیلئے قیامت کے روز جہنم سے ڈھال بن جائیں گی“ مسلم، البر والصلة، باب فضل

الاحسان الى البنات (۲۶۲۹)

لڑکیوں کو حقیر مت جانئے اور نہ لڑکے کو اس پر کسی معاملے میں ترجیح دیجئے دونوں کیساتھ یکساں سلوک کریں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اسکی اچھی تربیت کی اس کو زندہ دفن نہ کیا (زمانہ جاہلیت کی طرح) اسے حقیر نہ جانا اور نہ لڑکے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دی تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔“

[ابوداؤد]

لڑکیوں سے معاملہ میں خوشدلی سے پیش آنا چاہیے اور ان کو لڑکوں کی طرح وارثت میں مکمل حصہ دار بنانا چاہئے تاکہ اس تفریق میں اللہ کے احکامات کی مکمل پیروی ہو سکے اور کل قیامت کے دن اللہ کے ہاں سرخرو ہو سکیں۔ ہمارا اللہ لڑکیوں کے معاملہ میں ہمیں مکمل اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور کل نبی رحمت جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)



مہترین گھڑ سوار

طلباء
کی دنیا

فرقان عبداللہ (درجہ رابعہ)

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے بعد حدیبیہ سے واپسی کے دوران راستہ میں) رسول کریم ﷺ نے اپنی سواری کے اونٹ رباح کے ساتھ، جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے، آگے روانہ کر دیئے، میں بھی رباح کے ساتھ ہولیا، (ہم دونوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور) جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمن فزاری (جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا) نے رسول کریم ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہانک کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ ”یا صبا حاہ“ (یعنی خبردار دشمن آپہنچا) کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکتا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر (یعنی ان کے پیچھے) چل پڑا اس وقت میری زبان پر (بلند آواز میں) رجز یعنی رزمیہ شعر تھے، میں نے کہا تھا۔

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ

وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضْعِ

’(اے دین کے دشمنو! کان کھول کر سن لو) میں اکوع کا بیٹا ہوں آج دیکھتے ہیں کس نے ماں

کا دودھ پیا ہے، (آج کا دن برے لوگوں، دشمنان دین کے ہلاک ہونے کا دن ہے)‘

میں اسی طرح برابر تیر مارتا اور ان کی سواریوں کی کوئی کٹا (آگے بڑھتا) رہا یہاں تک کہ

رسول کریم ﷺ کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے

پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو، میں تیر برساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے

ہلاک ہو جانے کے خیال میں اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے (یعنی وہ بھاگتے

ہوئے اپنی چادریں اور کپڑے بھی پھینکتے تھے اس پر نشان کے طور پر پتھر رکھ دیتا تھا تا کہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء (اگر پیچھے سے آئیں تو) اس کو پہچان لیں یہاں تک کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے سواروں کو (آتے دیکھا اور پھر) (یہ دیکھا کہ) حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ نے جنہیں رسول کریم ﷺ کا سوار کہا جاتا تھا، عبدالرحمن کو جالیا (جس نے آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کو ہنکا لے جانا چاہا تھا) اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر (اس ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

((خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ وَخَيْرُ رَجَالِنَا سَلَمَةَ))

”آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابوقحادہ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر پیا دہ سلمہ بن اکوع ہیں۔“

اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو) مجھ کو دو حصے دیئے (ایک حصہ سوار کا) (کہ وہ بحسب اختلاف مسلک دو حصے ہیں یا تین حصے) اور ایک حصہ پیادہ کا، دونوں حصے اکٹھے کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی اونٹنی عضباء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

[مسلم، الجہاد، باب غزوۃ ذی قرد وغیرہم (۴۶۷۸)، مسند احمد (۵۲/۴)]

سچے موتی

حافظ مزمل عزیزی (درجہ ثالثہ)

۱۔ آباء واجد کی تقلید بہت بڑی گمراہی ہے۔

۲۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی تمام ذمہ داریاں کل کیلئے چھوڑ رکھی ہیں۔

۳۔ گیدڑوں کا وہ لشکر جس کا سپہ سالار شیر ہوشیروں کی اس فوج سے بہتر ہے جسکی کمان گیدڑ کے ہاتھ میں ہو۔

۴۔ اندھیروں کو کوکونے کی بجائے ایک عدد دیا جلا دو۔

۵۔ عقل مند آدمی زبان پر آنے والی ہر بات نہیں کہہ سکتا۔



کبھی بکریاں اور بھیڑیا کھٹے چر کر رہے تھے [ایمن طاہر]

حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان اموی رضی اللہ عنہ قریشی خلفاء میں سے خلیفہ خامس تھے، آپ ۹۹ھ میں مسند خلافت پر اس وقت متمکن ہوئے جب بنو امیہ کے حکمرانوں نے ہر طرف مظالم و مفسد کا دروازہ کھول رکھا تھا، آپ نے گدی نشین ہوتے ہی جملہ مظالم کا خاتمہ کیا حتیٰ کہ اللہ نے بھیڑیے اور بکریوں کو ایک گھاٹ پر جمع فرمادیا۔

چنانچہ امام ابو نعیم الاصبہانی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن اعین اور اس کے ساتھی بکریاں چرا رہے تھے، تعجب خیز بات یہ تھی کہ بکریاں اور بھیڑیا کھٹے چر رہے تھے۔ ایک رات اچانک ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا، وہ سب حیران ہو گئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ پھر موسیٰ بن اعین بات کو سمجھ گئے کہ جس کے عدل و انصاف کی وجہ سے بھیڑیے بھی مہذب بن گئے تھے، محسوس ہوتا ہے کہ وہ مردِ عادل اس دنیا سے کوچ کر گیا ہے، تحقیق کی گئی تو جو وقت بھیڑیے کے بکری پر حملہ کرنے کا تھا وہی وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے انتقال کا تھا۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء: (۵.....۲۵۰) سندہ حسن



شکب کا کریم سے پیدل چلوں گا [انمرہ طاہر]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں:

بدر کے دن ہم لوگ سوار یوں کی قلت کی وجہ سے ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اونٹ پر باری باری سواری ہوتی تھی۔ جب اللہ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدل چلنے کی باری آئی تو ابولبابہ اور جناب علی نے عرض کی۔ آپ تشریف رکھیں، ہم آپ کی طرف سے باری باری پیدل چلتے رہیں گے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ”تم دونوں مجھ سے زیادہ باہمت نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں تو اجر



جامعہ اسلامیہ سلفیہ کے طلباء کا اعزاز

27 مارچ 2011ء میں جامعۃ الحرمین راولپنڈی میں آل پاکستان اہلحدیث کے دینی مدارس کے درمیان سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک کویز مقابلہ منعقد ہوا۔ اس مقابلہ میں الرحیق المختوم جیسی شہرہ آفاق کتاب کے منتخب ابواب کا نصاب مقرر کیا گیا جو 350 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس عظیم اور بابرکت مقابلہ میں 12 مدارس کے طلباء نے شرکت کی۔ مقابلے کا طریقہ کاریہ رہا کہ مختلف مدارس کے طلباء کا آپس میں مقابلہ رکھا گیا۔ کامیاب ہونے والوں کو فائنل مقابلہ میں شرکت نصیب ہوتی۔

ان خوش نصیبوں میں پہلی پوزیشن مرکز الدعوة السلفیہ ستیانہ بنگلہ نے حاصل کی، جبکہ دوسری پوزیشن جامعۃ الحرمین نے اور تیسری پوزیشن جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ) نے حاصل کی۔ ان پوزیشن ہولڈروں کے انعامات ترتیب وار

پہلی پوزیشن 1000 ہزار، دوسری پوزیشن 7000 ہزار، تیسری پوزیشن 5000 ہزار

جامعہ اسلامیہ سلفیہ کی طرف سے شرکت کرنے والے خوش نصیب طلباء

۱۔ حافظ عبدالقدیر ۲۔ ثناء اللہ زاہد ۳۔ عثمان مدنی

ایک اور اعزاز

ضلع گوجرانوالہ کے تمام مکاتب فکر کے شعبہ تحفیظ القرآن کے درمیان مقابلہ ہوا جو کہ ”بزم قرآن“ کے نام سے کلاسک میراج ہال گوندانوالہ روڈ گوجرانوالہ میں منعقد ہوا، جس کی ابتدا ۲۷ مارچ سے ہوئی اور وہ ۳۱ مارچ جاری رہا مقابلہ کے مراحل کی تعداد پہلے ۱۰ پارے، آخری ۱۰ پارے اور مکمل قرآن تھی اس بزم میں تقریباً ۳۰۰ طلباء نے شرکت مکمل قرآن والوں کی تعداد ۱۰۲ تھی ابتدائی ٹیسٹ میں ۱۰ طلباء کامیاب ہوئے ان دس کا دوبارہ امتحان ۳۱ مارچ بروز جمعرات کو ہوا۔ جن میں دوسری پوزیشن جامعہ اسلامیہ سلفیہ مسجد مکرم اہلحدیث ماڈل ٹاؤن کے ہونہار طالب علم حافظ عبدالرحمن بن

رحمت اللہ شاکر نے حاصل کی۔ اللہ الحمد



اعلان مقالہ نویسی

موضوع: عظمت قرآن، حفاظت قرآن، اعجاز قرآن
ان تینوں موضوعات میں سے کسی ایک پر مقالہ پیش کریں جو پانچ صفحات سے کم پر مشتمل نہ ہو۔
پہلے نمبر پر آنے والے کے لیے 500 روپے، دوسرے کو 300 روپے اور تیسرے کو 200 روپے
کی کتب ارسال کی جائیں گی۔

نوٹ: دینی مدارس کے طلباء اور طالبات اگر اس مقالہ نویسی میں حصہ لیں تو ان کی خصوصی حوصلہ افزائی
کی جائے گی۔ مقالہ بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ مئی ہے۔ ڈاک ارسال کرنے کا پتہ ہے۔ ”ایڈیٹر مجلہ
المکرم“ جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ



اعلان سالانہ تقریب بخاری

جامعہ اسلامیہ سلفیہ (مسجد مکرم) ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ کی سالانہ تقریب صحیح بخاری
شریف 8 جولائی 2011ء بروز جمعہ المبارک بعد از نماز عصر ہونا طے پائی ہے۔



کوشش کئے جاؤ میہ دوستو

عمر فاروق، محمد شازب، حافظ عابد حسین، حافظ ابوبکر یزدانی، حافظ لقمان، حافظ انعام الرحمن
سعد علی المرتضیٰ، عبدالرحمان ساعد مفل، رضوان اللہ بھٹوی، محمد ابوبکر سلفی، عرفان
محمدی، عبدالمنان نور پوری، خاتقان داؤد، ضیاء الدین عزام، محمد عبداللہ، محمد ذیشان
عزیزی، اعجاز الحق صدیقی، رضوان صدیقی، محمد ہارون، محمد مدثر اشفاق بٹ، قاری محمد
اعظم، عمران اعجاز، ثناء اللہ، محمد طلحہ فاروق